# ناگ رانی

ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی
سراج الدین احمد نظامی



ہاشمی بک ڈپو لاہور
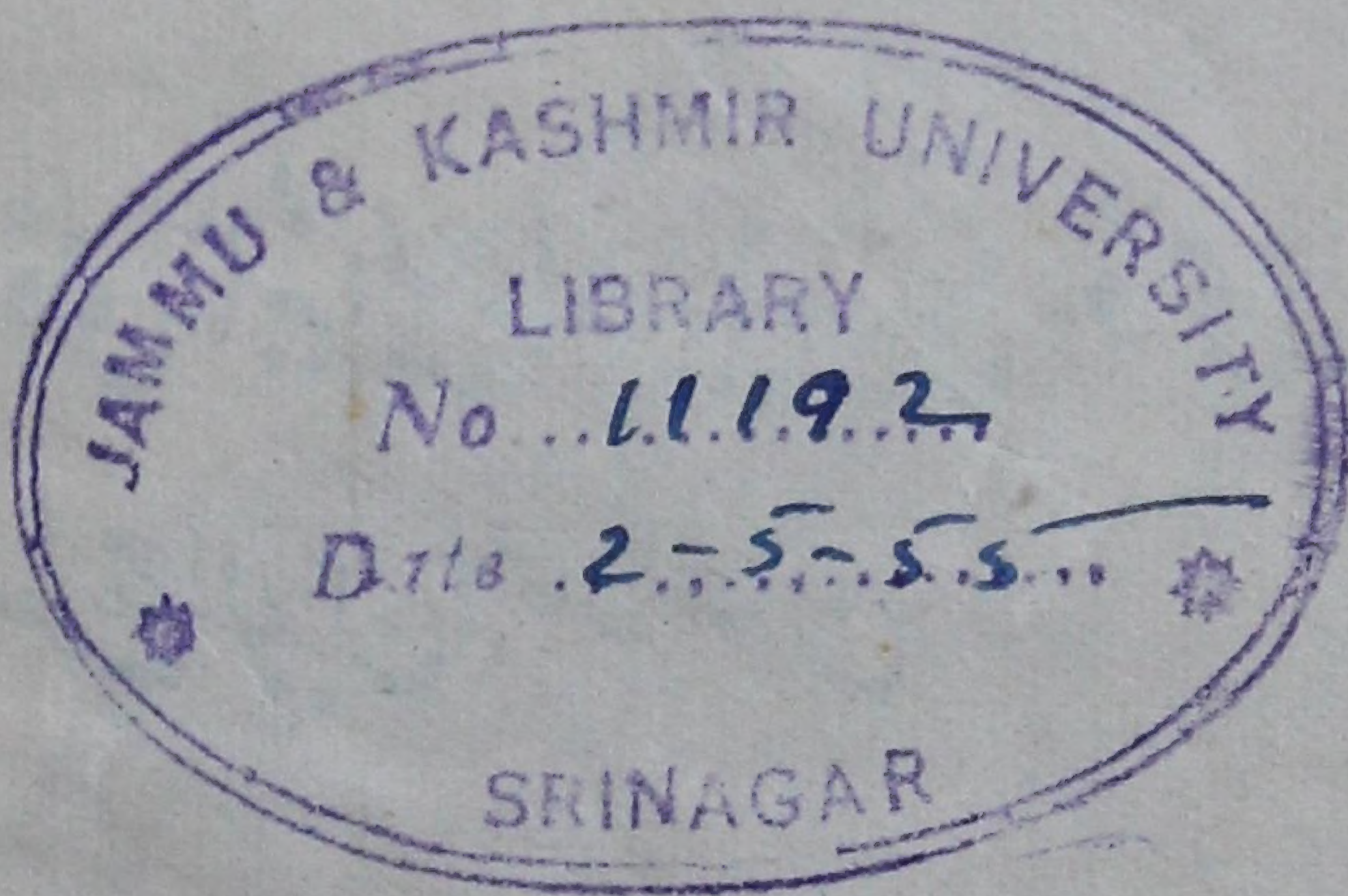
# اِنتساب

اُن بل کھاتی اور ناگن کی طرح لہراتی ہوئی سیاہ زلفوں کے نام جن کو یاد کر کے اَب بھی کہہ اٹھتا ہوں ؂

نیند اُسکی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اسکی ہیں
جس کے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں (غالب)

نظامی

# فہرس

# تعارف

مجھے وہ دن کبھی نہ بھولیں گے جب حضرت حفیظ جالندھری نے لاہور سے مخزن کو دوبارہ جاری کیا اور پنجاب کے ادیبوں کے رشحاتِ قلم اس کے صفحات پر جلوہ ریز ہونے شروع ہوئے۔ ہر روز دفتر میں علمی و ادبی مباحثے ہوتے اور رسالہ کی ہر اشاعت کے لئے جواہر پاروں کا انتخاب کیا جاتا۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ مکرمی تاثیر نے ایف۔ ڈبلیو بین کے دو ناول ترجمہ کیلئے منتخب فرمائے۔ ان میں ایک مجھے ملا جو "پریم کا جادو" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے اور دوسرے ناول "ناگ رانی" کا سلسلہ خود انہوں نے شروع کیا۔ جو پہلے مخزن اور پھر نیرنگ خیال میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ تاثیر صاحب کا ارادہ اُسے بالتصویر شائع کرنیکا تھا مگر افسوس کہ وہ چھ کہانیوں سے زیادہ نہ لکھ سکے۔ اسکا سبب ایک تو انکا سفر یورپ ہے دوسرے انہیں اپنی تعلیمی سرگرمیوں سے فرصت نہ ملی کہ کتاب کو مکمل کر سکیں، نتیجہ یہ ہوا کہ "ناگ رانی" کا مسودہ اربابِ ذوق کے پیہم تقاضوں اور کئی ناشرین کی مسلسل درخواستوں کے باوجود پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ہاشمی بکڈپو والوں کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور ترجمہ کیلئے مصر رہے جب کسی صورت کامیابی کی جھلک دکھائی نہ دی تو پھول نہیں پنکھڑی سہی والی بات سوچ کر ناشر صاحب کا حکمنامہ میرے نام لے آئے کہ "ناگ رانی" مکمل کر کے ہاشمی بکڈپو کے حوالہ کر دی جائے۔

میری ہمت نہ پڑی۔ مگر تعمیل ارشاد لازم تھی، آخر پس و پیش کے بعد ترجمہ کا کام شروع کیا۔

"ناگ رانی" کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ قدیم ہندوستان کے ایک راجہ چندر کانت اور رانی اننگ راگ کی پریم کہانی ہے۔ یوں تو پریم کے افسانے ہر زبان میں ہوتے ہیں اور یہ شعلہ ہر جگہ بھڑکتا ہے لیکن ہندوستان کی سہانی راتوں میں جہاں اجلی اجلی چاندنی کی ٹھنڈی روشنی ہر چیز کو اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ پریم کا سپنا زیادہ مدھ بھرا معلوم ہوتا ہے یہ اسی پریم کے سپنے کی کہانی ہے۔

یوں سمجھئے کہ یہ ہندوستان کی الف لیلیٰ ہے اسکے بول میٹھے اسکی فضا دلفریب اور انداز تحریر رومانوی ہے۔ ترجمہ کرتے وقت میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ اصل کتاب کی مٹھاس۔ اس کی دلفریب فضا اور انداز قائم رہیں۔

پہلی چھ کہانیاں ناشر صاحب کی ترجمہ کی ہوئی ہیں۔ میں انکا شکریہ ادا کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس ترجمہ کو کتاب میں شامل کرنیکی اجازت مرحمت فرمائی ؎

سراج الدین احمد نظامی

# آغاز

سنہری کلسوں والے مندروں کے حسن واسرار کے افسانے آخر مجھے بنارس لے گئے۔ وہاں میں مدتوں بھیس بدل کر پھرتا رہا۔ اور اس شہر گردی میں ایک بوڑھے برہمن کو مجھ سے انس ہو گیا۔ برہمن کا نام بتانے کا میں مجاز نہیں، کیونکہ یہ اس کے مرتے دم کی خواہش تھی۔ یہ کتاب اس کی یادگار ہے ۔

بنارس دیکھنے کو تو بہت خوبصورت شہر ہے مگر رہنے کو اس سے بُرا اور کوئی شہر نہ ہو گا۔ پوتر روحانی مقام مادی گندگی سے لتھڑے پتھڑے رہتے ہیں اور ہر وباکی پناہ ہیں! ان ہی دنوں پلیگ پھیل گئی اور کئی سوختہ اختر سورج ڈوبنے کے بعد بھی مرگھٹ میں جلا دیئے گئے۔ میرے بوڑھے ساتھی کا تمام خاندان ہوت کے اس طوفان میں بہہ گیا۔ اور ایک دن مجھے اسکی طرف سے بھی سندیسہ آگیا ۔

بوڑھا برہمن ایک نیچی چھت والی کٹیا کے گبریلے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ اور معذرت کے انداز میں بولا۔ "مجھے پلیگ نہیں لیکن میری سانس کی گنتی ختم ہو چکی ہے۔ اور ایشور نے چاہا تو جنم کا چکر بھی ختم ہو جائیگا، میں ایک امانت آپ کے سپرد کرنی چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے سرہانے سے ایک کرم خوردہ مسودہ نکالا۔ اور کہنے لگا "یہ کتاب انسانی یادداشت سے بھی پہلے سے ہمارے خاندان میں دست بدست چلی آتی ہے۔ پرنتو اب میرا خونی رشتہ دار کوئی نہیں رہا۔ اب یہ آپ کی ملکیت ہے۔ اسے آپ لے لیں، نہیں تو یہ ایک باوفا عورت کی طرح میرے ساتھ ستی ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور ہنستے ہوئے دانتوں سے آخری سانس بھی نکل گئی۔ میں نے مسودے کو اس کے بے حس ہاتھوں میں سے لے لیا۔ اور اس کے چہرہ پر اپنا رومال رکھ کر ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا سرنگوں ہو کر دروازے سے باہر روشنی میں نکل آیا۔

برہمن کی تعریفوں کے باوجود مجھے اس کتاب کی خوبی کے متعلق شک تھا۔ کیونکہ ایک ہندو اور برہمن مقدس زبان کی ہر ایک کتاب سے عقیدت رکھتا تھا۔ جیسے مسلمان عربی سے۔ مگر جب میں نے اس کی ورق گردانی کی اور مشکل مقامات کا ترجمہ ایک پنڈت سے سنا۔ تو میں نے اپنے دوست کی یاد سے گڑگڑا کر معافی چاہی۔ واقعی اس بوڑھے برہمن سے بڑھ کر حسن کی، عورت کے حسن کی، عمارت کے یا کتاب کے حسن کی پرکھ کسی اور کو نہ تھی۔

یہ کتاب ہندوستان کی مختصر سی "الف لیلیٰ" ہے۔ مگر اس کا ماحول بہت زیادہ دلفریب ہے۔ یہاں ویسی ہیبتناک قتل اور بے اعتمادی کی داستان نہیں اور عورت نے نفرت اور محبت کے اتار چڑھاؤ کو لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

# عورت کی تخلیق

بڑی دیر کی بات ہے کہ یہاں ہند میں ایک چکرورتی مہاراجہ تھا۔ نام چندر کانت[1]، اس کی فوج دلیری اور دانائی کی کمان میں ملک کے چاروں طرف پھیل گئی، اور پہلے دستے سمندر کی لہراتی ہوئی موجوں تک جا پہنچے۔ اس کا ذہن، علم و دانش کے ساتوں سمندر پار کر چکا تھا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی چیز سے ناواقف تھا تو وہ عورت اور اس کی محبت تھی۔ یوں کہیئے کہ وہ استری ویر کا اوتار تھا۔ خود حُسن کی مورت کہ جو عورت اس پر نگاہ ڈالے اس کی تابش کی تاب نہ لاسکے۔ مگر دل برف کی طرح یخ کہ عورت کی گرم نگاہ سے بے خبر!

جُوں جُوں چاند کی عمر بڑھتی گئی۔ اس کے سپید سر وزیروں کی تشویش زیادہ ہوتی گئی۔ وہ اس ادھیڑ بن میں تھے کہ مہاراجہ کا کوئی بیٹا نہیں، اگر موت کا تیر نشانہ پر بیٹھ گیا، تو اس سلطنت کے پرزے اڑ جائیں گے۔

---

[1] یہ چندر کانت نام کی رعایت ہے۔

اور اس پھیلاؤ کو کون سمیٹے گا۔

آخر انہوں نے سوچ سوچ کر ایک مشورے کی مجلس سجائی۔ اور تمام ملک میں سے چُن چُن کر عورت کے روپ میں ڈھلی ہوئی دلفریبیاں جمع کر یں اور رنگ برنگ کے تاروں بھرے دام کو اپنے مہاراجہ کے راستے میں پھیلا دیا۔ مگر یہ سب کوشش بے سود تھی۔ عورت کی نظر کے تیر اس کے دل میں یوں پھسل جاتے تھے، جیسے جنگل میں خزاں دیدہ پتے کسی مست ہاتھی کی پشت پر سے۔

وزیر اس ناکامی پر بہت جھلائے، اور آپس میں گنگنانے لگے، "نیکی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ایک راجہ کو استریوں کے نینوں کی بان سے اپنا دل بچانا چاہئے، مگر استری ویرپُن نہیں پاپ ہے۔ یہ راجہ ہے۔ ویراگی نہیں، گرہستی کو برہمچریہ سے کیا کام۔"

انہوں نے پھر مشورہ کیا۔ اور سب کے سب راجہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور مہامنتری نے بڑھ کر کہا۔

"مہاراج ادھیراج ہم آپ کے آگے شادی کی بینتی کرنے آئے ہیں، شری رام چندر نے سیتا جی کو، شری کرشن بھگوان نے رکمنی جی کو بیاہا، تو یہ کیا ضد ہے کہ آپ سلطنت کے ورق ہوا میں بکھیرنا چاہتے ہیں۔ مگر مہاراجہ نے ان کی بات پر دھیان نہ کیا۔ اور کہا کہ اگر

انہیں اپنے مہاراجہ کی زندگی میں اور کو گدی پر بٹھانے کی فکر ہے تو وہ ابھی سے راج پاٹ تیاگنے کو تیار ہے" یہ سن کر سب وزیر واپس لوٹ آئے اور ہار کر یہ وچار کیا کہ ملک میں جاسوسوں کے ذریعے خفیہ خبر پھیلا دی جائے کہ جو کوئی اس راج ہٹ کو مٹائے گا، اُسے ایک کروڑ اشرفی انعام ملے گی۔

یہ سن کر بڑے بڑے تانترک جوتشی اور جنتر منتر کرنے والے جمع ہو گئے اور انہوں نے ہزاروں ہون اور کیا کیا جتن نہ کئے، مگر راجہ کا عورتوں سے ویر بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ہر اُس استری کو جو اس کی نظر کی حد میں آنے کی جرأت کرتی دیس نکالا دے دیتا۔ وزیروں نے اس خوف سے کہ کہیں تمام ملک عورتوں سے خالی نہ ہو جائے، راجہ کے ارد گرد جاسوس مقرر کر دیئے، جو اس کے آگے آگے دوڑتے پھرتے اور عورتوں کو اس کی راہ سے دھتکار دیتے، مگر یہ کام تلوار کی دھار پر ناچنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ عورتیں جن کی فطرت دریا کے بہاؤ کے الٹ چلنا ہے اس نفرت سے اس کی طرف پروانہ وار کھنچیں، بھونرے کو پھول سے اور چکور[1] کو چاند سے روکنا سہل نہیں!

ایک دن وہاں دارالسطنت میں ایک مصور آنکلا، اس نے شہر پہنچتے ہی اِدھر اُدھر سے پوچھنا شروع کر دیا کہ یہاں کیا کیا عجائبات ہیں

---

[1] یہ بھی چندر کانت کے نام کی رعایت ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ سب سے بڑا عجوبہ ان کا مہاراجہ ہے کہ ہر چند گدی کا مالک ہے۔ مگر عورتوں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور ان سے اس طرح دور رہتا ہے جیسے طاؤس سے ناگ اور وہ خود حسن کے دیوتا کا اوتار ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ وہ جسے کام دیوتا نے اپنے تیروں کی انی اپنے تیروں کا پیکان بنایا کہ عورت کے سینے کو چھلنی چھلنی کر دے اپنی طاقت آزمانے کا تمنائی نہیں۔ کیا سورج کو گرمانے سے، ہوا کو لہرانے سے انکار کر دینا چاہیئے؟

مصور یہ گفتگو بڑے شانت سبھاؤ سے سنتا رہا، مسکراتا رہا اور آخر میں کھل کھلا کر ہنس دیا۔ کہنے لگا "تمہارے راجہ کا دل لوہے کا ہے اور میرے پاس مقناطیس ہے۔" اس کا یہ دعویٰ وزیروں کے کسی جاسوس کے کان میں جا پڑا اور وہ بھاگم بھاگ ان کے پاس گیا۔ اور انہیں اس بڑے بول سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فوراً مصوّر کو اپنے پاس بلا بھیجا، اور اس سے سوال جواب کئے اور اسے تمام حالات بتائے اور انعام دینے کا وعدہ کیا۔ مصور نے کہا۔

"تم مجھے اپنے مہاراج کے آگے کسی نہ کسی طرح پیش کر دو پھر میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔"

مہا منتری راجہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ مہاراج اس بستی میں شتر دو یاد علم مصوری کا ایسا ماہر مصور آیا ہوا ہے کہ اس کی مثال ملنی محال ہے۔ راجہ یہ سن کر بہت مسرور ہوا کیونکہ وہ خود اس فن کا دیگر فنون کی طرح ماہر تھا حکم دیا کہ مصور کو پیش کیا جائے۔ مصور جب رو برو ہوا تو راجہ کا حسن دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گیا اور کہنے لگا :۔

" مہاراج آج میرا جیون سپھل ہو گیا۔ کہ آپ کے بے نظیر حسن کا درشن نصیب ہوا۔ میں اپنے فن کا صلہ بھر پاؤں، اگر مجھ پہ دیا ہو کہ میں آپ کی تصویر کھینچ لوں۔ تا کہ عمر بھر اُسے تکتا رہوں، کیونکہ سورج کی گرمی بیکار شیشے کے عکس سے بھی پہنچتی رہتی ہے " راجہ نے کہا کہ " پہلے مجھے اپنے کام کے نمونے دکھاؤ۔ مگر خبردار عورت کی کوئی تصویر میری نظر نہ پڑے ، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا " چنانچہ مصور نے اس کے سامنے مختلف ممالک کے مرقعے اور مناظر پیش کئے اور ان میں چھپا کر ایک عورت کی تصویر بھی رکھ دی۔ مہاراجہ ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ ناگاہ اس کی نظر اس شبیہ پر پڑ گئی۔ اور جونہی اس کی نگاہ پڑی وہ اسے تکتے کا تکتا ہی رہ گیا اور اس کے ناطاقت ہاتھوں سے تصویر چھوٹ گئی اور اس پر ایک سکتے کا بیہوشی کا عالم چھا گیا۔

مصور نے کام اپنی کا ختم ... لگا ... [illegible]

"لو اب راج ہٹ ٹل گئی، لاؤ وہ انعام دلاؤ۔" مگر وہ کہنے لگے، کہ پہلے ہمیں اس کا یقین ہونے دو۔

مصور نے کہا۔" اچھا یونہی سہی۔ جاؤ پہلے مہاراج کو ہوش میں لاؤ۔ اور پھر سنو کہ وہ ہوش میں آتے ہی میرے موجود نہ ہونے پر کیا کہتے ہیں۔ میں ساتھ کے کمرے میں ٹھہرتا ہوں۔"

وزیروں نے فوراً چاکروں کو بلایا اور راجہ کو مور کے پروں کا پنکھا جھلایا گیا اور اس پر گلاب کا عرق چھڑکا گیا، اور اس کے سر پر اور پاؤں میں صندل کا تیل ملا گیا۔ راجہ ہوش میں آتے ہی پکارنے لگا۔

"مصور کہاں ہے وہ مصور کہاں ہے؟"

وزیروں نے کہا۔" مہاراج وہ چلا گیا ہے۔" راجہ نے جونہی یہ سنا، اس کے چہرے کا رنگ دھنک کے رنگوں کی طرح بدلنے لگا۔ اور اس کی آواز بربط کے تاروں کی طرح کانپنے لگی اور اس نے چلا کر کہا۔

"سنو اگر تم نے اس کو ابھی حاضر نہ کیا تو میں تمہیں اور تمہارے تمام کنبے کو کولھو میں پسوا دونگا۔" وزیر بھاگے بھاگے گئے اور مصور کو مہاراج کے آگے لے آئے۔ اور وہ اس کے قدموں پر جا گرا اور التجا کرنے لگا۔" مہاراج میری خطا معاف کر دیجئے، مجھ سے بڑا دشٹ کارن ہوا۔ میرے کرموں کا لکھا میرے پیش آیا کہ عورت کی شبیہ مناظر کی تصویروں میں ہل جل گئی۔"

لیکن مہاراجہ کہنے لگے۔" او مصوروں کے بادشاہ تو نے مجھ پر بڑی دیا کی کہ مجھے یہ تصویر دکھائی۔ تو نے میری آنکھیں کھول دیں۔ گویا اندھے کو سورج کی روشنی دکھائی۔ اب یہ بتا کہ یہ کس کی شبیہ ہے۔ کیونکہ فانی انسان کا ذہن تو ایسا لازوال حسن پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ تو اس سب کو بنانے والے کی اپنی کاریگری ہے۔"

مصور یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا۔" مہاراج میری نصیحت مانئے اور اس عورت کا خیال دل سے نکال دیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری غفلت آپ کی تباہی کا سبب نہ بنے۔"

راجہ بیقرار ہو کر بولا۔" مصور! بس یہ دو فرشتے کر دے۔ تیرے سامنے دو راستے ہیں، ان میں سے ایک چن لے۔ یا تو مجھے اس کا نام پتہ بتا دے اور میں تمہیں زر و جواہر سے لاد دوں گا۔ یا چپ رہ، اور میں تمہیں بھیانک تہ خانوں میں بے آب و دانہ پھینکوا دوں گا۔ کہ تیری زبان بھوک پیاس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیرے ہردے کے راز کو کھول دے۔"

اس پر مصور بولا۔" اب چونکہ مہاراج میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں اور آپ کے لیکھ یہی ہیں تو سن لیجئے۔

یہ شبیہ ناگوں کے بادشاہ کی اکلوتی بیٹی اننگ راگ کی ہے جسے سب ناگ رانی کہتے ہیں۔ وہ یہاں سے دو مہینوں کی مسافت پر جنگل میں اپنے

محل کی ایکانت میں رہتی ہے۔ اس کی شکل و شباہت، اس کا تجربہ آپ کو اس تصویر سے ہو چکا ہے۔ اور یہ تصویر اس کی عالم افروز چمک کا ایک دھندلا سا نقش بھی نہیں، کئی وصل کے خواہشمند اس کی صورت دیکھ کر موت سے واصل ہو گئے۔ مگر جب بنانے والے نے اسے یاقوت کی ڈبیا کا سا من موہنا بنایا تو اس کے اندر ایسا پتھر کا دل رکھ دیا کہ کام دیوتا کے تیر اس پر پھول بن بن کر برستے ہیں۔ ملک کے کونے کونے سے ہزاروں دیکھنے والے آتے ہیں اور شادی کا سندیسہ پہنچاتے ہیں۔ وہ سب پر ایک جیسی حقارت کی نظر ڈالتی ہے۔ مگر سب کی آدبھگت بڑے پریم سے کرتی ہے۔ اور اکیس دن اس شرط پر مہمان رکھتی ہے کہ ہر روز اس سے ایک بجارت ایک سوال کا جواب لیا جائے اور اگر کوئی امیدوار اس سے پرشن کرنے میں کامیاب ہو جائے جس کا اتر اس کے پاس نہ ہو، تو اس کا انعام وہ خود ہو گی۔ اور اگر اس میعاد میں وہ ایسا لاجواب سوال نہ پوچھ سکے، تو پھر وہ اس کا غلام ہو جاتا ہے اور وہ جو چاہے اس سے سلوک کرے، آج تک کسی کو اس پر کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کی عقل اس کے حسن سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور اُن اَن گنت طلبگاروں میں سے کچھ تو اس نے دوسرے ملکوں میں غلام بنا کر بھیج دیئے ہیں۔ اور کچھ اپنے نوکر چاکر بنا لئے ہیں، اور وہ ہر روز اس کے حسن کے سمندر کو موجزن ہوتے دیکھتے ہیں اور اس بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بے دست وپا اور

تشنہ لب کھڑے رہتے ہیں مہاراج آپ سے بینتی کرتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت کے گڑھے میں مت پھینکیں، ابھی کچھ نہیں گیا۔ وقت ہے کہ آپ اس خیال کو بھلا دیں، کیونکہ اس سے زیادہ بدحال اور کون ہوگا۔ جسے معلوم ہو جائے کہ اس کی قسمت میں، ہمیشہ ہمیشہ کی نامرادی ہے، جو اپنی مراد کو ہر وقت سامنے دیکھے اور اس تک پہنچنے کی امید تک نہ رکھتا ہو۔"

مہاراجہ چکرورتی چندر کانت نے قہقہہ لگایا اور کہا

"او بھولے مصوّر تیری رائے تیرے فن کی مہارت سے بہت پست ہے، کیونکہ اس سے بھی زیادہ بدحال وہ شخص ہے، جو تمام عمر اسی افسوس میں گذار دے کہ وہ ہمّت کرتا تو شاید اپنی مراد کو پالیتا۔ بہتر ہے کہ میں اپنی زندگی اس سراب کو دیکھنے میں گزار دوں، اور بے ہمّت بن کر کوشش نہ چھوڑ دوں" پھر راجہ نے اس سے وہ شبیہ لے کر رکھ لی، اور اسے تین کروڑ اشرفی انعام دی۔ اور اسے اپنی شبیہ کھینچنے کی اجازت بھی مرحمت فرما دی، وزیروں نے بھی اسے ایک کروڑ اشرفی انعام دی، کیونکہ انہوں نے یہ سوچا کہ اگر مہاراجہ اپنی کوشش میں ناکام رہا تو یہ سلطنت ضرور برباد ہو جائے گی۔ مگر یہ انجام تو اس طرح بھی ہونا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ جو برائی کم نقصان دینے والی ہے اسے چنا جائے۔

عرض راجہ کے سفر کا سب سامان تیار ہو گیا، اور اس نے یہ وقت نہایت بے چینی سے کاٹا، سلطنت کا سب انتظام وزیروں کے سپرد کر کے اور اپنی محبوبہ کی شبیہ ساتھ لے کر وہ تن تنہا قسمت سے ہار جیت کا پانسہ پھینکنے کو نکلا ہی تھا، کہ اس کا پرانا رفیق بھاگیرت راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا۔ "کیا آپ اکیلے ہی جائیں گے۔"

راجہ نے کہا۔ "منتر میرا اکیلا جانا ہی مناسب ہے۔ موت کے منہ میں دوسروں کو دھکیلنا کہاں کی دانشمندی ہے۔"

بھاگیرت نے کہا۔ "اے راجہ تو کن خیالات میں ہے۔ اگر تو مجھے چھوڑ گیا تو گویا اپنے ہاتھ کو پیچھے چھوڑ گیا۔ تو اور میں ایک قالب اور ایک جان تھے۔ تیرے اور میرے خیالات اور کام ایک جیسے تھے۔ مگر اے راجہ اب تیرے دل اور جان پر کسی اور کا قبضہ ہے، تو صرف جسم ہی جسم رہ گیا، تیری روح تیرا ذہن تیری عقل اب میں ہی ہو سکتا تھا۔ اور مجھے تو پیچھے چھوڑ چلا ہے اے راجہ اور اے منتر! تو نے ابھی سے سوچ کو تیاگ دیا ہے۔ اور نہ دیکھا کہ تو نے وہاں جا کر عقل کا مقابلہ کرنا ہے، اگر تیرا ابھی سے یہ حال ہے تو اس کو دیکھ کر تجھ کو اکیس دن تک عقل آزمائی کی سکت کیسے رہے گی یہی وجہ ہے کہ وہ سب پر غالب آجاتی ہے۔" راجہ نے جب یہ تقریر سنی تو اس نے اپنے رفیق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور کہا۔ "بھاگیرت

تو نے جو کہا سچ کہا۔ لیکن اگر میں ناکام رہا تو تیرا کیا حال ہو گا۔"

بھاگیرت نے کہا۔"راجہ ناکامی میں بھی دوست کا شریک ہونا بہتر ہوتا ہے، اگر خوشی دوست کے بغیر دوبھر ہوتی ہے تو ناخوشی کا کیا پوچھنا۔"

غرض دونو دوست اکٹھے شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف چل دیئے۔ جو درختوں، لنگوروں اور بھیلوں سے اس طرح بھرا ہوا تھا۔ جیسے سمندر جواہرات سے!

لیکن راجہ پریم کی دھن میں مست نہ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا، راجکماری کی تصویر سے دل بہلاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس کے جسم کی حفاظت بھاگیرت ہی کر رہا تھا۔ ایک دن جب وہ دوپہر کے وقت برگد کے پھیلے ہوئے سایہ میں سستا رہے تھے۔ راجہ اپنی محبوبہ کی تصویر کو دیر تک تکتا رہا۔ اور یکایک خاموشی کو یوں توڑا۔ اے بھاگیرت یہ عورت ذات ہے، اور میں اسی ایک دستو سے ناآشنا ہوں۔ کیا تو بتا سکتا ہے کہ عورت کی فطرت کیا ہے؟"

بھاگیرت مسکرایا اور کہنے لگا۔"چندر کانت یہ شہزادی کے لئے رکھ چھوڑیئے۔ کیونکہ یہ بڑا ہی ٹیڑھا سوال ہے۔ عورت عجیب الخلقت چیز ہے، سنئے اس کی بابت ایک کہانی سناتا ہوں!"

ابتدا میں جب پرماتما نے عورت کے بننے کا حکم دیا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ تمام مسالحہ مرد بنانے میں ختم ہو چکا ہے، اور کوئی ٹھوس مادہ باقی

نہیں رہا۔ اس گومگو کے عالم میں اسے یہ ترکیب سوجھی، اس نے چندرماں کی گولائی لی۔ عشق پیچاں کی جھپٹ، شاخوں کی قوسیں، سبزے کی لہلہاہٹ بیلوں کی نزاکت، پھولوں کی رنگت، گنیش کی سونڈ کا نکیلاپن، ہرن کی نظر، پنکھڑیوں کی تازگی، کرنوں کی شادمانی، بادلوں کی گریہ وزاری، ہواؤں کی بے ثباتی، خرگوش کی جھجھک، طاؤس کا مان، طوطے کے سینہ کی نرمی، ہیرے کی کاٹ، شہد کی مٹھاس، چیتے کی بے رحمی، آکاش کی گرمی، برف کی سردی، بلبلوں کے چہچہے۔ کوئل کے نغمے، بگلے کی بھگتی اور چوکور کی وفا۔ ان سب کو لے کر اور باہم خوب ملا کر عورت بنادی اور اسے مرد کے حوالے کر دیا۔ مگر ایک ہی ہفتے کے بعد مرد لوٹ آیا اور کہنے لگا۔

"ہے ایشور مہادیوا لے۔ یہ چیز جو تو نے مجھے دی ہے۔ اس نے مجھ پر زندگی ناگوار کر دی۔ یہ ہر وقت چرچر کرتی رہتی ہے۔ مجھے تنگ کرتی رہتی ہے پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہے، کبھی تنہا نہیں ہونے دیتی، مجھے ہر وقت اس کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ کبھی ہنسنے لگتی ہے۔ کبھی منہ بسورنے لگتی ہے اور تمام دن بیکار بیٹھی رہتی ہے۔ میں یہ امانت واپس کرنے آیا ہوں۔ میری اس سے گزر نہیں ہوسکتی۔"

پرماتما نے بہت اچھا کہہ کر عورت کو واپس لے لیا۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ مرد پھر واپس آیا۔ اور کہنے لگا "ہے ایشور مجھے لوٹنے پر معلوم

ہوا کہ میری زندگی بہت اکارت جا رہی ہے۔ میں اداس رہنے لگا ہوں۔ اور مجھے رہ رہ کر وہی تیری دین یاد آتی ہے۔ وہ اس کا ناچتا پھرنا، نگہبازیاں کرنا۔ کھیلنا چمٹ جانا۔ مجھ سے ڈرنا اور میری پناہ میں آنا۔ من کر بگڑنا اور بگڑ کر منّنا آنکھوں کے آگے پھرنے لگتا ہے۔ اس کی ہنسی ایک گیت تھی اس کا بدن ملائم تھا۔ اور اس کی سندر صورت من موہنی تھی۔ مجھے واپس دے دے۔"

پرماتما نے کہا" بہت اچھا"۔

اور عورت پھر مرد کے حوالے کر دی۔ تیسرے ہی دن وہ پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا" ہے ایشور نہ جانے کیا بات ہے مگر میں آخری نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس سے راحت کم اور مصیبت زیادہ ہے اسے واپس لے لیں"۔

پرماتما کی آواز میدان میں گونج اٹھی"۔ اے منش جا۔ اب اس کا انتظام خود کر"۔

" مرد بولا"۔ مگر میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ پرماتما نے کہا" اور تو اس کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا"۔

اور یہ کہہ کر اس نے آدمی سے منہ موڑ لیا۔ اور کسی اور پرتھوی کے رچنے میں مصروف ہو گیا۔ مرد گردن جھکائے سوچ رہا تھا۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میں نہ اس کے ساتھ رہ سکتا ہوں اور نہ اس کے بغیر!

بھاگیرت خاموش ہو گیا اور راجہ کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن راجہ چپ چاپ ٹکٹکی جمائے ہوئے شہزادی کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ اور اس طرح وہ ہر روز پڑاؤ کرتے ہوئے جنگل میں سے گزرتے ہوئے ناگ رانی کے محل کے قریب جا پہنچے۔

# پہلا دن

# ناستک

جب صبح سویرے محل کے سنہری کلس درختوں کے جھنڈ میں سے سورج کی کرنوں سے جگمگاتے ہوئے نمودار ہوئے مہاراجہ چندر کانت یکایک پکارا۔ "میں برباد ہو گیا۔"

بھاگیرت نے پوچھا۔ "وہ کس طرح ؟"

راجہ نے کہا۔ "افسوس میں تمام راہ دن رات سوتے جاگتے اپنی محبوبہ کی مورت ہی تکتا رہا ہوں، مجھے اور کسی چیز کا دھیان نہیں رہا۔ ہم سفر کی انتہا تک تو پہنچ گئے۔ مگر ہماری مصیبتوں کی ابتدا تو ہونے والی ہے۔ راجکماری سے کیا سوال کروں گا؟ میرے دل میں اس کا کھٹکتا ہوا سا خیال بھی نہیں ہے۔ اور اگر اس کے تصور ہی نے مجھے ایسا موہ لیا ہے، تو کیا جانے اس کے مرگ لوچن نین کو دیکھ کر مجھ پر کیا حالت گزرے گی۔ میرے ہوش و حواس ابھی سے گم ہو رہے ہیں۔ اکیس دن کی کھینچا تانی کی مجھ میں سکت کہاں سے آئے گی۔"

بھاگیرت بولا۔ "مہاراج! اسی کے توڑ کیلئے تو میں آپ کے ہمراہ ہوں جب ہم راجکماری کے سامنے پیش ہوں، تو آپ اس کو کہہ دیں۔ کہ آپ میرے منہ سے گفتگو کریں گے؟ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔"

راجہ کو اس سے اطمینان ہوا۔ اور وہ پھر دین و دنیا سے بیخبر ہو کر اپنی محبوبہ کے دھیان میں مگن ہو گیا۔

آخر کار دونوں محل کی حدود میں داخل ہو گئے اور ان کے استقبال کیلئے سنہری وردیوں والے چوبدار آگے بڑھے، راجکماری کو خبر کر دی گئی۔ کہ مہاراجہ چندر کانت اپنی قسمت آزمانے کے لئے آئے ہیں۔ اس نے اپنے خاص خادم جن کے منہ سرسوں سے زیادہ زرد اور جنگلی آنکھیں ناگوں سے بھی زیادہ سرخ تھیں بھجوا دیئے۔ جوان دونوں کو سنگ مرمر کے دیوان خانے میں لے گئے جس کے چاروں طرف ایک دلکشا باغ تھا۔ جو نتھرے ہوئے پانی والی جھیل اور بلوری غسل خانوں اور سایہ دار درختوں سے مزّین تھا۔ جہاں ہوائیں رنگ برنگ پھولوں کی مہک سے گراں بار تھیں اور شاخیں اَن گنت پرندوں کے چہچہے سے لرزہ براندام تھیں، انہوں نے تمام دن وہیں گزارا۔ مگر راجہ ناگ رانی کے دیدار کی تمنا میں ایسا بےکل ہو رہا تھا کہ اس کی شبیہ کے سوا اُسے اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔

جب دوپہر ڈھل گئی، مہاراجہ اور بھاگیرت دربار میں طلب کیۓ گئے دونوں دیوان عام میں سے ہوتے ہوئے خاص دربار میں گئے جہاں فرش سیاہ وسست نیلاہٹ والے بلوروں کے ٹکڑوں سے آراستہ تھا اور دیواریں جواہرات سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔

چھت سے فانوس لٹک رہے تھے، اور ان کی جھلملاتی ہوئی روشنی تمام منظر کو دھنک کے رنگوں میں رنگ رہی تھی۔ اس نور اور سایہ کے تلاطم میں نظر بیکار تھی۔ جب مہاراجہ اور بھاگیرت کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو قرار آیا۔ انہیں

سامنے ایک سنہری تخت پر ناگ رانی جلوہ افروز دکھائی دی۔ اس نے کائی کا سا سبز لباس پہنا ہوا تھا اور موتیوں سے جڑی ہوئی چولی، جیسے لکشمی سمندر سے ابھی ابھی باہر نکل رہی ہو۔ مدھ بھری آنکھیں شہد کی رانیوں کی ایک قطار تھیں اور لانبی لانبی مژگان ان پر مدہوش ہو ہو کر گری پڑتی تھیں۔ ہونٹ پروے میں لرزنے والی گلاب کی پنکھڑیاں تھے اور ابھرے ہوئے سینے سے صندل کی مہک آ رہی تھی، نازک کمر کے ارد گرد ایک جڑاؤ کمر بند تھا۔ اور پاؤں حنا سے رنگے ہوئے تھے، رات کی طرح تاریک بادلوں میں ایک سونے کی پٹی تھی۔ جس کی شکل سانپ کیطرح تھی۔ آنکھیں لعلوں کی اور زبان زمرد کی، حسن کی اس نمائش میں ناگ رانی نے راجہ پر حقارت کی ایک نظر ڈالی اور منہ موڑ لیا اور کہا۔ "کیئے کیا پوچھتے ہو؟"

لیکن راجہ جس کے دل پر مبہوت کر دینے والا حسن بجلیاں گرا رہا تھا سامنے صندلی پر گر پڑا۔ اور اسے یوں تکنے لگا۔ جیسے کبوتر سانپ کو۔

بھاگیرت جھک کر آداب بجا لایا۔ اور ہاتھ باندھ کر بولا۔ سرکار مہاراج کی زبان یہ داس ہے، حکم ہو تو کچھ کہیے؟ راجکماری نے کہا "کہو" بھاگیرت پھر آداب بجا لایا اور کہنے لگا:

"سرکار مدت کی بات ہے، ایک ملک میں ایک ناسنک رہتا تھا۔ اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اور وہ تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس کا ایک دوست اسکے پاس آیا۔ اور اسے یہ صلاح دی کہ وہ گنیش مہاراج کے مندر پر چڑھاوا چڑھائے

تاکہ شادی بخیر بسر انجام ہو۔ وہ ناستک کھل کھلا کر ہنسا اور دیوتاؤں کا مذاق اڑانے لگا اور یوں کہنے لگا :-

"واہ گنیش کی بھی ایک ہی کہی۔ اے میاں سوچ گیا آدمی کی بھی سونڈ ہوتی ہے۔ اسے میری شادی سے کیا مطلب ؟ جو کام بھی سوچ سمجھ کر کیا جائے بخیر ہی سر انجام ہوتا ہے! چھوڑو ان باتوں کو۔ میں نے بھی وید پڑھے ہیں۔ پیٹ کے پجاریوں کے ڈھکوسلے ہیں ڈھکوسلے"؟

غرض وہ یوں ہی باتیں بناتا گیا۔ اس کی بھنک گنیش جی کو بھی پڑ گئی، وہ آپ ہی آپ سونڈ ہلا کر ہنستے رہے اور ناستک شادی کی تیاریاں کرتا رہا جب سب کچھ تیار ہو گیا اور بیاہ کی تاریخ آ گئی گنیش جی نے صبح صبح ایک گئو کو جو بازار میں پھرا کرتی تھی کہہ دیا کہ وہ اپنا پوتّر گوبر ناستک کی دہلیز پر پھینک آوے، گئو نے ایسا ہی کیا اور جب ناستک نے دروازے سے باہر پاؤں نکالا وہ گوبر پر سے پھسل پڑا اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور ابھی وہ بستر سے نہ اٹھا تھا کہ اس کی منگیتر مر گئی۔ اسکا دوست پھر اسکے پاس آیا اور کہنے لگا! دیکھا گنیش جی سے بغاوت کا نتیجہ!

لیکن ناستک بولا۔ جاؤ ہوش کے ناخن لو، کسے معلوم تھا۔ ایک منحوس گائے میری دہلیز پر گوبر پھینک جائے گی۔ گنیش کا اس سے کیا تعلق ہے۔ کیا دنیا بھر کے گئوؤں کے گوبر کا انتظام اسی کے سپرد ہے۔ اور وہ دیکھتا پھرتا ہے کہ کون گائے گوبر ڈالتی ہے؟

"واہ کیا پوتر خیال ہے۔"

جب اس کی ٹانگ درست ہوگئی اس نے ایک اور جگہ شادی کا سندیسہ بھیجدیا اور شادی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ایک دستہ مہتروں کا نوکر رکھ لیا جب کبھی وہ باہر نکلتا وہ آگے آگے صفائی کرتے جاتے جب بواہ کا دن آیا گنیش جی نے ایک کوئے کو بلایا، جو ان کے مندر سے چڑھاوا کھاتا تھا۔ یہ کہا کہ آج ایک ناستک کا بواہ ہے اور جس راستے سے اس نے گزرنا ہے، وہاں ایک محراب ہے، جس پر ہماری ایک پتھر کی بہت پرانی مورتی ہے، جسے بارش اور دھوپ نے اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا ہے اور وہ بالکل گرنے کے کنارے پہنچی ہوئی ہے، تم دھیان رکھو جب ناستک نیچے سے گزرے تم ہمارے اوپر بیٹھ جانا ہم اس پر جا گریں گے کوئے نے ایسا ہی کیا اور ناستک کا کندھا ٹوٹ گیا۔ اور بستر سے اٹھنے سے پہلے اس کی دلہن مر گئی۔ اس کا دوست پھر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اب تو کوئی شک نہیں رہا کہ تمہاری تجویزوں کا گنیش جی ہی ستیاناس کر رہے ہیں۔"

ناستک کو بڑا طیش آیا۔ کہنے لگا۔ "تمہارا گنیش ناک رگڑ رگڑ کر سونڈ کو توڑ لے مگر میں شادی کر کے رہوں گا۔ یہ شہر ہی ایسا ہے۔ جہاں گائیں گوبر کرتی پھرتی ہیں اور مکان گر گر پڑتے ہیں۔ اب کے میں پورا انتظام کر لوں گا۔"

تندرست ہو کر ناستک نے ایک اور دلہن چن لی اور پھر تیاریاں کرنے

لگا اور دلہن کے گھر ایک دور کے راستے سے چکر کاٹ کر کھیتوں میں سے ہوتا ہوا چلا گیا لیکن گنیش جی نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ انہوں نے اندر دیوتا سے کہہ دیا تھا کہ جب ناستک ایک خشک نالے سے گزرے۔ بادل چاروں طرف سے آکر اُسے پانی سے بھرپور کر دیں۔ اندر دیوتا نے ایسا ہی کیا جب ناستک گزرنے لگا۔ نالہ یکایک اُمڈ آیا۔ اُسے دھار میں بہا کر لے گیا۔

"گنیش جی اس کی تباہی دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے اور پھر یکایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"اے راجکماری اس کا اتّر دیجئے کہ وہ مسکرائے کیوں اور پھر رونے کیوں لگے۔"

بھاگیرت یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ ناگ رانی بولی۔

"وہ مسکرائے تو اس کی نادانی اور غرور پر۔ لیکن جب انہیں اس خوفناک سزا کا خیال آیا۔ جو اس نادان ناستک کے لئے اگلی زندگیوں اور اگلی دنیا میں تیار ہے تو ان کا دل رحم سے چھلکنے لگا۔ اور وہ رونے لگے۔"

راجکماری یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور راجہ پر نگاہ ڈالے بغیر یونہی ہاتھ کے اشارے سے محفل برخواست کر کے چل دی اور راجہ کا دل بھی ساتھ ہی سینہ سے باہر نکل گیا ÷

# دُوسرا دِن

# بوڑھا برہمن اور اُس کے بیٹے

راجہ نے کہا اے متر! راجکماری نے تیرے سوال کا جواب دے دیا اور میرا ایک دن یونہی برباد گیا۔ مگر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اس ادا کے صدقے جس ادا سے اس نے جانتے ہوئے اپنے نازک ہاتھ کو لچکا دیا۔ یوں تھا، جیسے پھولوں سے لدی ہوئی ڈالی پردے میں جھوم رہی ہو۔ یہ تصویر نہ ہوتی تو کل تک انتظار نہ ہو سکتا۔ اب میں اسی کو دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ راجہ نے رات اسی مستی میں گذار دی، راجکماری کے روپ میں چور ہو کر تصویر کو گھور گھور کر کہنے لگا۔ "یہ مصور کتنا کاریگر استاد ہے۔ یہ تصویر نہیں آئینہ ہے، لبوں پر وہی ہلکی سی حقارت دبی ہوئی شرارت ہے۔ اور بدن کے رونگٹے رونگٹے سے ایک ہی بات پھوٹ رہی ہے ایک منہ سے نہیں بول سکتی، اور سب بات وہی جیتی جاگتی مورت کی سی ہے۔"

آخر سورج نکلا، راجہ بستر سے اٹھا، اور بھاگیرت کے ساتھ باغ میں گھومنے لگا، یوں تڑپ کر جدائی کی گھڑیاں کاٹنے لگا۔

بھاگیرت نے کہا۔ "میں نے دھرم ودّیا کا سوال اسلئے کیا تھا۔ کہ حسن والے

---

لہ جس طرح ہر روز راجکماری کے لباس کا رنگ بدلتا رہتا ہے، راجہ کی حالت بھی بدلتی رہتی ہے...

ان باتوں سے کورے ہوتے ہیں۔"

راجہ بولا۔" بھاگیرت یہی تو مشکل ہے کہ یہاں حسن و عقل، دین و دنیا سب کا سمبندھ ہے۔" شام کے وقت دونوں دربار میں حاضر ہوئے۔

وہاں راجکماری لال لباس پہنے ہوئے تھی۔ سر سے پاؤں تک لعل و جواہر جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ راجہ نے تخت و تاج، لباس اور جواہر کو تو کیا دیکھنا تھا۔ اس کی نگاہ راجکماری کی مدھ بھری آنکھوں میں الجھ کر رہ گئی اور وہ نشیلا سا، بے سکت سا ہو کر ایک کونے میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ مگر بھاگیرت لپک کر آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

اے راجکماری دیر ہوئی راجہ دھرم آسنا کے دیس میں ایک بوڑھا برہمن رہتا تھا جس کے تین بیٹے تھے۔ لے دے کے اس کا سارا دھن ۱۹ گائیں تھیں اور بس۔ جب وہ مرنے لگا۔ تو اس نے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر کہا۔

" میں اب موت کے منہ میں جا چکا ہوں، اس لئے میں جو کچھ کہنے والا ہوں اُسے غور سے سنو۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے صرف یہ گائیں ہی ہیں۔ تم یہ آپس میں بانٹ لو۔ بڑے کے لئے آدھی۔ منجھلے کے لئے چوتھائی اور چھوٹے کے لئے پانچواں حصہ اگر کوئی گائے بچ جائے تو سب مل کر اسے کھا لینا۔ یہ نہیں تو پھر ساری گائیں راجہ کے گئو شالہ میں داخل کر دی جائیں یہ میرے مرتے دم کی اچھیا ہے، دیکھنا نافرمانی نہ کرنا۔ ورنہ جنم جنم سے کبھی

چھٹکارا نہ ہوگا۔"

بوڑھا باپ یہ کہہ کر مر گیا۔ بیٹوں نے جب سب رسمیں ادا کرلیں، تو اکھٹے ہو کر جائداد بانٹنے لگے۔ بڑے نے کہا "آدھی میری ہیں۔ کل ۱۹ ہوئیں تو میرا حصہ ۹ ½ گائیں ہوا۔ منجھلے نے کہا "چوتھائی چار گائیں اور تین چوتھائی (۳/۴) بنتی ہیں، چھوٹا بولا۔ مجھے پانچواں حصہ تین گائیں اور ایک کا ۴/۵ ملنا چاہیئے۔

بڑا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دیر کے بعد سر اٹھا کر کہنے لگا "یہ حصے سب ٹھیک ہوئے۔ مگر ان سب کو جوڑو، تو ۱۸ گائیں اور ایک گائے کا کچھ حصہ بنتا ہے۔ ۱۹ پوری نہیں ہوئیں۔ اس صورت میں ہمیں باقی کا ماس کھانا پڑیگا۔ اور یہ، برہمن تو کیا شودر بھی نہیں کرسکتا۔ اور اگر سب حصے ملا کر ۱۹ گائیں بن بھی جائیں، تو کیا ہوتا۔ یہ آدھی تین چوتھائی اور ۴/۵ کی بانٹ کس طرح ہوسکتی ہے۔ گئو ہتیا کون کرتا؟ اب کریں تو کیا کریں؟"

"اب پورے پورے حصے نہ بانٹے گئے تو ساری گائیں مفت میں راجہ کے ہاتھ چلی جائیں گی۔ اسکے پاس آگے تھوڑا دھن ہے، جو ہماری پونجی بھی اس کا مال بن جائے۔ باپ کی اچھیا نہ پوری کی گئی، تو بڑا پاپ ہوگا۔ مگر اس گورکھ دھندے سے نکلنے کا راستہ کوئی ضرور ہوگا۔ ہمارے باپ نے کچھ سوچا ہی ہوگا نا؟

اسی ادھیڑ بن میں کئی دن اور راتیں گزر گئیں اور فیصلہ کچھ بھی نہ ہوسکا

"اب راجکماری جی آپ بتائیں، کہ بوڑھے باپ، تین بھائیوں اور راجہ کا یہ الجھاؤ کیسے دور ہو سکتا ہے؟"

ناگ رانی نے سوچ میں سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموش رہی۔ چندر کانت کا دل منہ کو آ رہا تھا۔ شریر سے آتما نکلی جا رہی تھی۔ آخر راجکماری نے سر اٹھایا اور بے جھجک یہ جواب سنایا۔

"تینوں کو ایک اور گائے مانگ لینی چاہیئے۔ ان بیس میں سے آدھی یا دس گائیں بڑا لے لے۔ منجھلا پانچ یعنی بیس کا چوتھا حصہ اور چھوٹا چار گائیں پانچواں حصہ۔ دس، پانچ اور چار انیس گائیں ہوئیں۔ جو گائے مانگی تھی اسے واپس کر دیں سارا جھگڑا ختم ہو گیا، باپ کی اچھیا پوری ہو گئی سب گائیں پوری طرح بٹ گئیں، بھائیوں کو اپنی بانٹ سے بڑھ کر حصہ ملا۔ اور راجہ تو ضرور ہی خوش ہوا ہوگا۔ اس کا نام دھرم آسنا ہے اگر وہ اس طرح کھلم کھلا لوگوں کا مال لینا شروع کر دے۔ تو لوگ یا تو چھپ کر پاپ کرنے لگیں اور برہمن تک گئو ہتیا کرنے پر مجبور ہو جائیں یا کھلم کھلا بغاوت ہو جائے۔ راجاؤں کا راج جبھی تک چلتا ہے کہ لوگوں میں بھرم بنا رہے۔"

یہ کہہ کر راجکماری راجہ پر ایک نظر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ چندر کانت اور بھاگیرت واپس لوٹ آئے۔

# تیسرا دن

# ننھا راجہ

راجہ نے بھاگیرت سے کہا۔" اے میرے متر! راجکماری نے پھر تیرے سوال کا جواب دے دیا۔ اور ایک دن میرا اور ضائع ہوگیا۔ مگر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اس جاتے ہوئے نظر ڈالنے کی ادا کی خاطر، کوئی نگاہوں کے بان اور تیر دپیکان کا رونا روتے ہیں۔ مگر میرے جلتے ہوئے دل دجگر پر وہ کام کیا ہے، جو برسات کی بوندیں تپتی ہوئی زمین پر کرتی ہیں۔ سوئی مری ہوئی زمین دوبارہ جاگ جی پڑتی ہے۔ پھول اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ اسی طرح میری برباد آرزوئیں اس چھلکتی ہوئی نظر نے دوبارہ آباد کردیں۔ بھاگیرت پہلے تمہارا ساتھ اور یہ تصویر میری زندگی کا بہانہ تھا۔ اور اب اس نظر کی یاد میری مددگار اور غمگسار ہے۔ راجہ اپنا رونا روتا رہا اور تصویر کو تکتے تکتے رات گزار دی۔

آخر سورج نکلا، اور راجہ اور بھاگیرت باہر باغ میں نکل آئے۔ بھاگیرت ہزار جتن سے راجہ کا دل بہلاتا رہا۔ پھر شام ہوگئی اور دونو دربار میں حاضر ہوگئے۔ وہاں راجکماری زرد لباس پہنے ہوئے زرد جواہر میں جھلمل جھلمل کرتی تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے راجہ پر ایک گہری نظر ڈالی اور وہ

مدہوش سا ہو کر رہ گیا۔

بھاگیرت آگے بڑھا اور پھر ایک کہانی شروع کر دی:۔

"اے راجکماری دیر ہوئی ایک راجہ تھا، جو پرجا کا مال کھا کھا کر پھوٹ کر مر گیا۔ اس کا ایک بچہ تھا۔ ننھا سا جو نہ چل سکتا تھا نہ بول سکتا تھا۔ اس راجہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ جو راجدھانی پر اپنا قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کام کیلئے ضروری تھا، کہ ننھے راجہ کو ایک طرف کیا جائے۔ راجہ کے بھائی کو اس میں کیا شرم تھی۔ راجہ لوگ ہوتے ہی ایسے ہیں اور پھر سامنے تھا بھی ایک بچہ، چچا نے سوچا بے زبان بچے کو ایک نہیں ہزاروں طریقوں سے موت کے کنارے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دن اس نے ننھے کے چاکروں میں سے ایک کو بہت سا لوبھ دے کر اس پر منا لیا، کہ وہ آدھی رات کو اس کے کمرے میں گھس کر راجہ کا کام تمام کر دے۔ مگر یہ قاتل دکنی راجپوت تھا۔ جو شہر میں نیا نیا آیا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ راجہ کون ہے، آدھی رات کے وقت قاتل راجہ کے کمرے میں آ گھسا اور لگا اِدھر اُدھر راجہ کی تلاش کرنے۔ مگر اسے ایک ننھے سے بچے کے سوا اور کوئی نظر نہ آیا۔ اور اسے معلوم نہیں تھا، کہ راجہ بھی ننھا نادان ہے۔ جو فرش پر سیب سے کھیل رہا ہے۔

سیب اس کے ہاتھوں سے پھسل کر لڑھکتا ہوا قاتل کے پاؤں تک جا پہنچا۔ ننھے راجہ نے ہاتھ پھیلا کر رونا شروع کر دیا۔ قاتل نے سیب اٹھا

کر اس کی طرف لڑھکا دیا۔ اور ننھّا ہنسنے لگا۔ تالیاں بجانے لگا۔ دونوں اس کھیل میں لگے رہے۔ اتنی دیر میں نئے چاکروں کی چوکی کا وقت آگیا۔ اور انہوں نے قاتل کو پکڑ لیا۔ جب قاتل سے پوچھا گیا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا۔ میں اپنے آقا کی طرف سے راجہ کے نام ایک سندیسہ لایا ہوں۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔ اور بولے۔

"راجہ مر چکا ہے، اب یہی راجہ ہیں"۔

قاتل کھسیانہ سا ہو کر کہنے لگا "تو پھر میں لوٹ جاتا ہوں، اور اپنے آقا کو خبر دیتا ہوں۔ کیونکہ میرا سندیسہ راجہ ہی کے لئے تھا۔ اور یہ راجہ تو ابھی ننھے نادان ہیں"۔

چاکروں نے اُسے جانے دیا۔ اور وہ اپنی جان کی خیر مناتا راتوں رات شہر سے بھاگ گیا۔

موذی چچا نے جب یہ ترکیب بگڑتی دیکھی، تو اس نے ایک اور چال سوچی اور ایک قاتل کی جگہ ڈاکوؤں کا ایک بڑا جتھا تیار کیا۔ موقع پاکر اس نے انہیں ایک درختوں کے جھنڈ میں چھپا دیا، جو اس سڑک کے پار تھا، جہاں سے ننھا راجہ اور اس کے چاکر پوجا پاٹھ کے لئے مندر کو جایا کرتے تھے۔ اس نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا۔ کہ راجا ننھا سا بچہ ہے۔ اور ہیرے جواہرات میں لدا ہوا چاکروں سے گھرا ہوا رہتا ہے۔ کرنا پرماتما کا یہ ہوا۔ کہ ڈاکو تو چھپے بیٹھے رہے اور ان تک پہنچنے سے

پہلے راجہ اور اس کے محافظوں پر کسی اور ڈاکوؤں کے جتھے نے حملہ کر دیا۔ اور ایک کے سوائے سب چاکروں کو مار ڈالا۔ اور ننھے راجے کے جواہرات اور کپڑے اتار کر سڑک پر پھینک دیا اور چلتے بنے، جو نوکر بچ گیا۔ اس نے راجہ کو گود میں اٹھا لیا۔ اور مندر میں لے گیا۔ راستہ میں وہ درختوں کا جھنڈ بھی آگیا۔ جہاں دوسرے ڈاکو چھپے ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے سمجھا۔ کہ یہ کوئی بھکاری ہیں، اسلئے انہیں نہ ٹوکا اس طرح دوسری بار ننھے راجہ کی جان بچ گئی، مگر چچا کو پھر بھی چین نہ آیا۔ اجکاری جی حکومت کا لالچ بُرا ہوتا ہے۔ بڑے لوگ بڑائی کے نشہ میں دھرم درم سب بھول جاتے ہیں۔ چچا نے اب ایک رسوئی سے ساز باز کی اور راجہ کے دودھ میں زہر ملوا دیا۔ دُودھ دودھیا پتھر کے پیالہ میں لایا گیا۔ اور ننھے راجہ نے ضد کر کے دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا۔ کرنا پرمیشور کا کیا ہوا۔ کہ ایک چاکر کو اسیوقت چھینک آگئی۔ بیچارہ بہتیرا روکتا رہا۔ مگر بس کی بات نہ تھی۔ روکنے سے اور زیادہ زور بڑھ گیا۔ اور چھینک کا ایسا دھماکا اٹھا کہ ننھے راجہ کے ہاتھ سے پیالہ گر گیا۔

یہ تو خیر ہوئی کہ راجہ ننھا نادان تھا۔ ورنہ چھینک کی سزا نہ جانے کیا ملتی۔ ننھا خفا کیا ہوتا۔ الٹا خوشی سے چلانے لگا۔ تالیاں بجانے لگا۔ دودھ فرش پر پھیل گیا ننھی ننھی نہروں کیطرح، اور نازک پتھر کا پیالہ پاش پاش ہو گیا۔ یوں تیسری بار اس کی جان بچ گئی۔ اس کے چچا نے اب کوئی چال چلنی تھی، مگر وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کھتری ذات کی استری کے پتی نے اسے جان سے مار

ڈالا۔ کیونکہ اس نے اس کی دھرم پتنی کو بے آبرو کرنا چاہا تھا۔

"اے راجکماری! اس کا اتر دیں۔ کہ ایک ننھا نادان ایسے چالاک مکار کے پھندوں سے کیسے بچ گیا؟"

بھاگیرت خاموش ہو گیا اور راجکماری کہنے لگی:۔

"یہ بچہ کی نادانی تھی، جو اس کے کام آئی۔ جیسے ایک باہر پڑا ہوا پتھر اس قیمتی ہیرے سے جو کئی صندوقوں میں بند ہو، زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نکما معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ننھا بیکس بچہ اپنی ناطاقتی کی وجہ سے بچ جاتا ہے۔ سب سے اچھا تریاق زہر کا نہ ہونا اور سب سے بڑھیا خوبی حسن کا نہ ہونا۔ سب سے طاقتور دمدمہ دشمن کا نہ ہونا اور سب سے کارآمد حفاظت بچہ کی بیکسی ہے۔ بھلا نازک کنول کے پھول کا بھی کوئی بیری ہو گا۔"

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور باہر چلی گئی اور مڑ کر راجہ پر ایک نظر ڈالتی گئی اور ساتھ ہی اس کا دل بھی لیتی گئی۔ بھاگیرت اور راجہ لوٹ آئے۔

# چوتھا دن

# رقابت

راجہ نے بھاگیرت سے کہا" بھاگیرت راجکماری نے پھر تیرے سوال کا جواب دیدیا۔ اور میرے تین دن جاتے رہے۔ مگر میں تمہیں معاف کرتا ہوں اس نظر کے صدقے، جو اس نے گردن کو پھیر کر جاتے جاتے مجھ پر ڈالی۔ ہائے! میرا ہردہ یوں الجھ کر رہ گیا۔ جیسے مچھلی جال میں!"

" یہ تصویر نہ ہوتی تو جینا اجیرن ہو جاتا۔ پو پھٹنے سے پہلے میرا دم نکل گیا ہوتا راجہ نے رات محبت بھری یادوں میں گزار دی۔ نیند کا بیری صبح تک تصویر کو تکتا رہا۔ سورج نکلا تو یہ بھی باہر آیا۔ اور جوں توں کرتے بھاگیرت اور باغ کے آسرے مرتے پڑتے دن کاٹا۔ اور شام ہونے پر راجکماری کے دربار میں پہنچے۔ وہاں راجکماری سرمئی لباس پہنے تھی اور سرمئی جواہرات میں جھلمل کر رہی تھی۔ اس نے راجہ کو مہربانی کی نظر سے دیکھا۔ اور راجہ بے سکت ہو کر رہ گیا۔ بھاگیرت آگے بڑھا اور کہنے لگا:۔

" راجکماری کسی دیس میں دو برہمن رہتے تھے۔ سگے بھائی، جوڑے، ایک کا نام بمبا تھا اور دوسرے کا پرنمبا۔ بنانے والے نے انہیں کسی ننھی ہوئی جھیل کی تہہ میں بیٹھ کر بنایا تھا۔ کہ چاند سے چاند کا عکس پانی میں اور ایک ٹہنی کا پتہ دوسرے

اتنا نہیں ملتا جلتا۔ جتنا ایک بھائی دوسرے سے۔ بچپن میں ان کی ماتا نے ایک کے گلے میں ایک ٹوٹکا باندھ رکھا تھا۔ تاکہ دودھ پلاتے وقت دونوں کی پہچان ہو سکے اور جب ان کے ماں باپ مر گئے۔ تو کسی کو بھی یہ پہچان نہ رہی۔ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ ان کی آنکھیں ان کے ساتھ دغا کر رہی ہیں اور ایک ہی چیز کے دو عکس دکھا رہی ہیں اور جیسی ان کی صورت تھی اور ویسی ہی سیرت اور آواز تھی ان کا رڑواں رڑواں ملتا جلتا تھا۔ بدن کی کھال سے لیکر ہردے کی گہرائیوں تک

"ایک دن کیا ہوا کہ بسنت کے میلے پر بمبا کی نظر ایک من موہنی صورت والی عورت پر پڑ گئی۔ اس نے بھی بمبا کو اسی آن دیکھا اور کام دیوتا نے اپنی بان سنبھال کر ان دونوں کی نگاہوں کو نشانہ بنا لیا۔ بمبا نے اپنی پیاری کا نام پتہ پوچھ لیا اور ہفتہ میں تین دن اس کے گھر گزارنے لگا۔ پریم کی مستی کا متوالا بمبا اپنی مستی کو سنبھال نہ سکا اور اپنی پیاری کے روپ کے غرور میں آکر پرتمبا کو سارا بھید بتا دیا۔ اور ایک دن دور سے اپنے بھائی کو اسے دکھا بھی دیا۔ پرتمبا کیا کرتا، وہ ہر طرح بھائی کا عکس تھا۔ وہ بھی اسی کی محبت میں دیوانہ ہو گیا۔ اور شرم و حیا کو ایک طرف رکھ دیا۔

بھلا محبت میں شرم و حیا کیا اور بھائی کیا۔

"ہفتے کے باقی دنوں میں آپ وہاں جانے لگا۔ وہ بیچاری اور بھی خوش ہوئی کہ بمبا ہفتہ میں تین دن کی بجائے چھ دن آنے لگا ہے۔ اسے کیا خبر تھی

کہ یہ بمبا نہیں پرتمبا ہے۔ یوں ہی دن گزرتے گئے۔ ایک دن کیا ہوا۔ کہ بمبا پریت کے جوش میں آکر نہ رہ سکا۔ اور اپنے بھائی کے باری کے دن اپنی پیاری کے گھر جا پہنچا اور کیا دیکھا۔ کہ پرتمبا سیج پر لیٹا ہوا ہے اور اس کی پیاری مور چھل ہلا رہی ہے۔ جوں ہی اسے بمبا نظر آیا وہ چیخ اٹھی اور پرتمبا گھبرا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ بچاری ایک سے دوسرے کو بار بار دیکھ رہی تھی۔ اور وہ دونوں دیکھتے دیکھتے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ یہ شور و غل سن کر راجہ کے سپاہی آپہنچے۔ اور تینوں کو پکڑ کر پنچوں کے پاس لے گئے۔

"اب بمبا کہتا تھا، یہ میرا بھائی ہے۔ اس نے میری پیاری مجھ سے چھین لی ہے اور پرتمبا کہتا تھا۔ یہ میری ہے! اور میرے بھائی کا دل للچا پڑا ہے!

"بمبا کہتا تھا۔ میں نے اسے پہلے دیکھا تھا۔ پرتمبا بھی یہی دہراتا تھا۔

"پنچوں نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا چاہنے والا کون ہے۔ تمہارا جوڑا پہلے کس سے ہوا تھا۔

"عورت بیچاری کیا کہتی۔ اسے دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا وہ کہنے لگی، مجھے تو آج پتہ چلا ہے کہ یہ ایک نہیں دو ہیں۔

"اے راجکماری اب آپ بتائیں کہ فیصلہ کرنے والے کس طرح جانچیں کہ کون سچا ہے"۔

بھاگیرت چپ ہو گیا تو راجکماری بولی:-

# پانچواں دن

"تینوں کو الگ الگ لے جا کر پوچھا جائے کہ ان کی پہلی ملاقات کن حالات میں ہوئی۔ ایک ایک بات پوری سنی جائے، چھوٹے بھائی نے یہ تو سنا ہوگا۔ کہ بسنت کے میلے پر دونوں کی یاری ہوئی مگر دیکھنے والی آنکھ اور یاد رکھنے والا دل گزرما گزری سنی سنائی بات کو جھٹلا دیں گے۔"

یہ کہا اور راجکماری مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی اور راجہ کا دل بھی ساتھ لے گئی۔ بھاگیرت اور راجہ چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# سوَرن شیلا

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر! میری محبوبہ نے پھر تیرے سوال کا جواب دے دیا۔ اور میرے چار دن برباد ہو گئے۔ پرنتو میں تمہیں معاف کرتا ہوں اس مسکراہٹ کی خاطر جو اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔ آہ! اس نے میری آتما کے دھندلکے میں اجالا کر دیا تھا۔ جس طرح چندرماں جنگل میں کر دیا کرتا ہے۔ اگر تصویر نہ ہو تو میں صبح سے پہلے مر جاؤں۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے ہوئے صبر ی سے گذار دی۔ جب سورج نکلا۔ وہ بھی اٹھا، دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں۔ جب شام ہوئی پھر دربار میں پہنچے۔ راجکماری زرد ساڑھی اور زمردوں سے مرصع چولی میں ملبوس بیش قیمت جواہرات میں جھلمل کرتی سر پر تاج رکھے، اپنے سنگھاسن پر براجمان تھی۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھا۔ اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی، ایک راجہ تھا جس نے ایک اور راجہ سے جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ اس کے لشکر میں ایک کھتری سورما تھا۔ جو تنہا ہزاروں کا مقابلہ کرتا۔

اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتا ہوا تھک گیا، اور تھکان سے چور ہو کر بیہوش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے دشمن ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بُری طرح گھائل کر کے رن میں چھوڑ گئے۔ لیکن جب رات کو چندرماں نکلا تو اُسے ہوش آیا اور وہ گرتا پڑتا ایک مکان کے دروازے پر پہنچا اور زور سے دستک دی اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

اس مکان میں ایک برہمنی رہتی تھی۔ جس کا پتی پردیس میں تھا۔ وہ یاسمین کی کلی سے زیادہ کومل اور سندر تھی۔ اور برف کی طرح پوتّر۔ اس کا نام سورن شیلا تھا۔ جب اس نے آدھی رات کے وقت اپنے دروازے پر دستک سنی تو ڈر گئی۔ اور ایک چھوٹی سی گول کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اسے چاندنی میں اپنے مکان کے دروازے کے پاس کوئی آدمی لیٹا نظر آیا۔ وہ دل میں کہنے لگی۔ "شاید یہ کوئی چال ہے! پڑوسی مجھ پر جان چھڑکتے ہیں۔ ٹھیک ہے حسن کس کو پیارا نہیں۔ آہ حسن ایک قیمتی زمرد کی طرح کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب کہ اس کا محافظ دور پردیس میں ہو۔"

اس نے پھر نیچے دیکھا اور اس کے دل میں رحم آگیا۔ اور وہ کہنے لگی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اجنبی گھائل ہے یا مر رہا ہے۔ اگر میں نے اسے اپنے دوارے مر جانے دیا۔ تو یہ مہا پاپ ہو گا۔"

اس نے پھر نیچے دیکھا، اور گھائل کھشتری کو اندر لے آئی۔ اس کے زخم

دھوئے۔ مرہم پٹی کی اور تیمار داری میں مصروف ہو گئی۔ اور جب تک وہ تندرست نہ ہوا اُسے گھر میں رکھا۔

کھشتری ہر روز اسے دیکھتا۔ وہ اس کے حسن کی تاب نہ لا سکا اور بیتاب ہو گیا اور اسے پھسلانے لگا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا " کیا تم احسان کا بدلہ بدی اور ناشکر گزاری سے دو گے؟ جان لو کہ نیک استری اپنے پتی کو دیوتا جانتی ہے اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

کھشتری نے اپنی ناکامی دیکھ کر کہا۔" تمہارا پتی دیوتا نہیں بلکہ تم دیوی ہو۔ تمہارا حسن ایک رشی کا دھرم ناش کر سکتا ہے۔ میری جان تمہاری ہے مگر یہ تم نے پہلے ہی لے لی ہے۔ اچھا میں جاتا ہوں، نہیں تو پریم کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ آہ پریم احسان سے زیادہ بلونت ہے!" اور وہ کھشتری چلا گیا۔

جب برہمنی کا پتی پردیس سے دیس آیا، تو اُسے راستہ میں ایک نائن ملی جو سورن شیلا سے جلتی تھی۔ وہ کہنے لگی "۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہارے پاس خزانہ ہے مگر تمہارے بعد تمہارے خزانے پر ایک سانپ آ بیٹھا تھا۔"

اس کا پتی جل بھن کر کوئلہ ہو گیا اور اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا۔ وہ کہنے لگی"۔ یہ سچ ہے پر تم سنو"۔ اور اس نے ساری رام کہانی اسے سنا دی

لیکن پتی کو اعتبار نہ آیا۔ تب برہمنی نے اپنا ہاتھ آگ کی طرف بڑھا کر کہا "اے آگ میں تمہاری بنتی کرتی ہوں کہ اگر میں نے اپنے پتی سے ایک پل کے لئے سپنے میں بھی بے وفائی کی ہو تو مجھے جلا کر بھسم کر دے۔"

معاً آگ بھڑکی اور ایک شعلہ چھت کی طرف لپکا، شعلہ میں سے دو زبانیں نکلیں اور انہوں نے اس برہمنی کو بوسہ دیا، ایک منہ پر اور ایک دل پر، مگر بدگمانی اور غضب سے اندھا پتی قائل نہ ہوا اور کہنے لگا "یہ شعبدہ بازی ہے" پھر تلوار سنبھال کر بولا "میرے پیچھے آؤ" برہمنی کہنے لگی "جیسے تمہاری مرضی" وہ اسے جنگل میں لے گیا۔ اور ایک درخت سے باندھ کر اس کے ہاتھ، پاؤں ناک اور چھاتیاں کاٹ ڈالیں اور چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ برہمنی سردی اور خون کی کمی کے باعث مر گئی۔

اس کھشتری کو پتہ چلا تو وہ غصہ اور ناامیدی سے اس کے پتی کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ جان لے بیوقوف! کہ تو نے ایک نیک استری کو مار دیا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اب یہ زندگی تمہارے لئے موت سے بدتر عذاب ہوگی۔ تو میں تمہیں اسی وقت مار دیتا۔ لیکن نہیں، تم زندہ رہو اور اپنے جرم کے کارن ایک بیٹے کے بغیر مرو۔"

جب پتی کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تو وہ شرمندہ ہو گیا۔ اس نے دنیا تیاگ دی، اور پاپ دھونے گنگا چلا گیا۔ اس کھشتری نے تلوار سے خودکشی کر لی۔

"اب راجکماری جی آپ اُتّر دیں کہ زردشش لوگوں کو ایسی خوفناک سزا کیوں ملتی ہے۔"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش گیا۔

راجکماری کہنے لگی "۔کیا ان لوگوں کے سوا جو مستحق نہیں کسی اور کو مکتی مل سکتی ہے۔کیا سونا آگ میں ڈالے جانے کے بغیر پرکھا جا سکتا ہے۔سورن شیلا امتحان میں کامیاب ثابت ہوئی۔اور اس نے دنیا پر ظاہر کر کے انعام پا لیا خود موت اتنی یقینی نہیں جتنا چھوٹے سے چھوٹے کرم کا پھل۔"

معاً آکاش سے ہاتف کی ندا آئی "خوب کہا پیاری۔"

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور اپنی چمکیلی آنکھوں سے راجہ کی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی۔اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# چھٹا دن

# تین سُندریاں

راجہ نے کہا "بھاگیرت پانچ دن ہو گئے۔ مگر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں وہ چمکتا ہوا آنسو جو اس کی پلکوں میں اٹک رہا تھا۔ میری قسمت کا ستارہ تھا۔ میرے سوئے ہوئے نصیب کچھ کچھ جاگ رہے ہیں۔ مجھے اداسی کے اندھیرے میں اجالا سا نظر آرہا ہے۔ مگر نہیں یہ روشنی نہیں دھوکا ہے۔ مگر چاندنی ہے سراب ہے۔ میری آرزوئیں چھلاوا بن کر مجھے نت نئے تماشے دکھلا رہی ہیں۔ بھٹکا رہی ہیں مگر یہ تصویر سچی ہے۔ اس کا روپ اصل کو بڑھا کر نہیں دکھاتا جھوٹ کو سچ نہیں بناتا۔ یہ تصویر نہ ہوتی تو میں اتنے دن نہ جی سکتا" اور تصویر سے یونہی باتیں کرتے کرتے راجہ نے رات گزار دی۔ سورج نکلا تو یہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے ٹہلتے کٹ گئیں۔ سورج ڈوبا تو وہ دیوان دربار میں جا پہنچے، وہاں راجکماری لباس اور جواہر لہو کے رنگ میں رنگے ہوئے پہنے بیٹھی تھی۔

راجہ نے جو آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ تو اس کا لہو سوکھ کر رہ گیا۔ اور وہ بے سکت ہو کر بیٹھ گیا۔ بھاگیرت آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔

راجکماری جی ایک راجہ تھا۔ جس کی تین رانیاں تھیں۔ ایک سے ایک

بڑھ کر روپ میں سبھاؤ میں، دیکھنے میں، بولنے میں، ہر طرح، چودھویں کی چاندنی میں کوئی دیکھے تو یہ نہ کہہ سکے کہ چاروں میں کون چندرماں ہے اور کون رانی، ایک رات جب راجہ اور رانیاں مرمر کی بارہ دری میں سو رہے تھے۔ راجہ جاگ اٹھا اور رانیوں کے چاندنی میں چمکتے ہوئے روپ کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اور سوچنے لگا کہ عورت کا روپ کتنی سانچوں میں ڈھلا ہوتا ہے۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں میں سے کون زیادہ حسین ہے؟ اور ایک سے دوسری۔ دوسری سے تیسری پر آنکھیں جما جما کر جانچنے لگا۔ ایک رانی چت لیٹی ہوئی تھی اور چاندنی اس کے بدن پر کھل کر برس رہی تھی۔ ایک کا بازو ماتھے پر دوہرا پڑا ہوا تھا۔ اور ایک طرف سے سینہ ابھرا ہوا تھا۔ ہر دم ہوا کے جھونکے جالی کی چادر کو ادھر اُدھر بکھیر دیتے تھے۔ اور اسکا روپ چھلک چھلک پڑتا تھا۔ دوسری رانی مرمر کی جالی کے سائے میں لیٹی ہوئی تھی۔ نور اور سایہ اس کے بدن سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ جیسے آبنوس اور ہاتھی دانت کی محرابیں بہم دست و گریباں ہوں، تیسری رانی گھنے سائے میں لیٹی تھی۔ سر سے پاؤں تک اندھیرے کی چادر میں لپٹی ہوئی، مگر چاند کی ایک کرن اس کے چنبیلی کے پتے سے کان میں پڑ رہی تھی۔ غرض راجہ تمام رات یونہی گھومتا رہا۔ کبھی ایک کو گھورتا، کبھی دوسری کو پرکھتا، کبھی تیسری کو جانچتا، رات بھر یونہی سر دھنتا رہا۔ اور جس کسی پر نظر جماتا یہی سمجھتا کہ وہ سب سے زیادہ حسین ہے آخر وہ ہار کر بیٹھ گیا۔ ہزار سوچتا مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکتا۔ اور اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ سورج نکل آیا۔

صبح کے وقت جب دربار سے پہلے اس کا وزیر نیا منتری اس کے پاس آیا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا "مہاراج خیر تو ہے۔ آپ کی آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔ جیسے رات بھر نیند نہ آئی ہو" راجہ نے کہا۔ نیا منتری تم نے سچ کہا۔ رات یونہی میں نے سوچا کہ میری رانیوں میں سے کون زیادہ سندر روپ والی ہے! اسی سوچ میں رات گزر گئی۔ ابھی تک مجھے وہی وچار ہے اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ وزیر نے کہا مہاراج آپ کو شانت ہونا چاہیئے کہ آپکی رانیاں ایسی ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ اپنی اپنی جگہ ہر ایک ایسی کہ کسی کو دوسرے کے روپ کا جلاپا نہیں اور آپ کو کیا چاہیئے؟ یونہی مفت کا سوچ بچار ہے اور اس نکمے خیال سے من کی شانتی کا ستیاناس ہوتا ہے۔ لیکن راجہ نے کہا کچھ بھی ہو میں فیصلہ کر کے رہوں گا۔

وزیر نے یہ دیکھ کر کہ راجہ راج ہٹ پر اتر آیا ہے، کہا مہاراج بڑے شہسوار بھی یہی کرتے ہیں کہ پہلے تو گھوڑے کو روکنے تھامتے ہیں اور اگر زیادہ منہ زور ہو جائے تو پھر لگام چھوڑ دیتے ہیں اور خطرے کے مقام پر ادھر ادھر موڑ دیتے ہیں کہ سوار اور گھوڑے کا بچاؤ اسی میں ہوتا ہے۔ میں تو آپکا چاکر ہوں اگر مہاراج کی یہی اچھیا ہے کہ آپ اندازہ لگائیں کہ تینوں رانیوں میں کون زیادہ سندر ہے تو بہت اچھا یونہی سہی۔ سنیئے آپ کے شہر میں ایک گنتی برہمن بچہ آیا ہوا ہے جو عورت کے روپ کی جانچ کیلئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اسے بلائیں۔ وہ آپکو بتا دے گا کہ کونسی رانی سندر ہے۔

یہ سن کر راجہ بہت خوش ہوا اور اس نے اس حسن کے جوہری کا نتی گر ہا کو

بلا بھیجا۔ جب برہمن اور راجہ آپس میں باتیں کر رہے تھے، تینوں رانیاں راجہ کے حکم سے اسی کمرے میں سے ہو کر گزریں۔ جب پہلی رانی گزری تو برہمن بھچکا سا رہ گیا، جیسے زمین میں گڑ گیا۔ جب دوسری گزری تو برہمن لرز گیا، اور جب تیسری گزری تو برہمن کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ جب سب چلی گئیں تو راجہ نے کہا اے برہمن اب بتا ان میں سے کون زیادہ سندر ہے۔ برہمن نے سوچا کہ اگر میں نے راجہ کو اپنی رائے بتا دی تو شاید بگڑ جائے کہ اس کی چہیتی رانی کی ہیٹی ہو گئی ہے۔ اور مجھے قتل کرا دے۔ ان راجوں مہاراجوں کا کیا ہے۔ اس نے ادب سے منت کی کہ مجھے ایک رات کی مہلت دی جائے۔ راجہ مان گیا اور کانپتا، گرتا، بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ تاکہ راتوں رات شہر سے باہر نکل جائے۔ مگر اسے رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ ایک رانی ضرور ایسی ہے کہ اسے ایک بار بھینچ کر سینہ سے لگایا جائے اور جی بھر کر لطف اٹھایا جائے۔

مگر نیا نیتری بڑا تانترک بوڑھا تھا، جو اوروں کے دلوں میں ہوتا۔ اس کے ناخنوں میں تھا۔ اس نے کہا مہاراج یہ برہمن کچھ گھبرا گیا ہے اور یہاں سے بھاگنے کی ٹھہرا رہا ہے۔ مگر میں آپ کو ایک ترکیب بتاتا ہوں جس سے اس کی اصلی رائے معلوم ہو سکتی ہے۔ راجہ نے وزیر کا کہا کیا۔ اور جب اسے معلوم ہو گیا کہ کون زیادہ سندر ہے تو اسکا اس رانی سے پیار بڑھ گیا۔ دوسری رانیوں نے جلاپے کے زور میں آ کر اسے زہر دے کر مروا دیا۔ اور راجہ نے ان دونوں کو قتل کروا دیا اس طرح مفت کی کھوج لگانے سے تینوں رانیاں کھو بیٹھا۔

"راجکماری جی! بتائیے راجہ نے برہمن کی رائے کسطرح معلوم کی۔ وزیر کی وہ ترکیب کیا تھی؟" بھاگیرت چپ ہو گیا۔ راجکماری بولی:-

"راجہ کو کسی چال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ تیسری رانی زیادہ سندر تھی۔ پہلی رانی کے روپ سے برہمن حیران رہ گیا۔ دوسری کے روپ سے رعب میں آگیا مگر تیسری کے روپ نے اس کے دل پر اثر کیا۔ نیا منتری شاید پوری طرح تسلی کرنا چاہتا تھا! اسلئے اس نے راجہ کو کہا کہ تینوں رانیوں کی طرف سے برہمن کو ایک ایک خط بھجوائیں جس میں ہر ایک نے مختلف جگہوں پر ایک ہی وقت پر ملنے کے لئے کہا ہو۔ کانتی گوہا کا چلن وزیر کو معلوم ہی تھا۔ ایک وقت میں وہ اپنی من پسند رانی کے پاس ہی جا سکتا تھا۔ وہاں راجہ کے چاکر موجود تھے۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ آدمی کے ہردے کا صحیح حال اس کے چلن ہی سے لگ سکتا ہے"۔

راجکماری نے یہ کہا اور راجہ پر افسوس کی نظر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# ساتواں دن

# سادھو اور راجکماری

راجہ نے بھاگیرت سے کہا" منتر راجکماری نے پھر تمہارے سوال کا جواب دیدیا
اور میرے چھ دن برباد ہو گئے۔ پرنتو میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اس لمحہ کی خاطر
جب تمہاری کہانی کے دوران میں اس نے اپنی حیرت انگیز لیاقت کا ثبوت
دیا۔ آہ! استری روپ میں اس کے اندر ایک برہسپتی کی آتما ہے۔ میرا دل
اس حسرت کے لئے تڑپتا ہے۔ جو جاتے جاتے اس کے سندر نینوں میں جھلک
رہی تھی۔ میں نہیں جانتا، کہ جدائی کی یہ گھڑیاں اس تصویر کے ساتھ کیونکر
کٹیں گی۔

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے تکتے گزار دی، جب سورج نکلا تو
وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے
کٹ گئیں۔ جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے۔ راجکماری لاجوردی
ساری اور بلور کے پھولوں والی چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل
جھلمل کرتی، سر پہ تاج رکھے اپنے سنگھاسن پہ براجمان تھی۔ اس نے راجہ کی طرف
دیکھ کر ایک آہ بھری، راجہ اس کے حُسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پہ بیٹھ گیا اور
حیرت سے اسکی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

راجکماری جی، ایک بدمعاش تھا جس نے اپنے جیسے اور بدمعاشوں کی صحبت میں اپنی ساری دولت جوئے میں ہار دی۔ اور پھر جھوٹی پارسائی ظاہر کر کے روپیہ بٹورنے کے لئے سادھو بن گیا، اس نے شریر پر بھبھوت مل لی، بال بڑھا لئے۔ گیروے کپڑے پہن لئے۔ ہڈیوں کی ایک مالا گلے میں ڈال لی اور سمرن ہاتھ میں لے کر شہر بہ شہر پھرنے لگا۔ جب کوئی اُسے دیکھتا وہ مکاری سے تپسیا میں مصروف ہو جاتا اور پھر بھیک مانگنے لگتا۔ ایک دن وہ سڑک کے کنارے سمادھی لگائے بیٹھا تھا کہ اس نگری کے راجہ کی بیٹی اپنے ہاتھی پر بیٹھی ادھر سے گزری، ہوا کے جھونکے سے اس کے ہودے کا پردہ اٹھ گیا اور اس نے راجکماری کو دیکھ لیا پھر کیا تھا اس کے دل میں ایک زبردست امنگ پیدا ہوئی۔ اور وہ کہنے لگا "میرا جنم تب سپھل ہو گا جب میں اس سندری پر قبضہ کروں گا۔ مگر یہ کیونکہ کیا جائے"۔

بڑی سوچ بچار کے بعد وہ راجہ کے محل کے سامنے ایک درخت کی شاخ سے چمگادڑ کی طرح لٹک کر کچھ پڑھنے لگا۔ وہ ہر روز یونہی کرتا۔ یہاں تک کہ اس نگری کے لوگ جوق در جوق آنے لگے ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ کے کانوں تک بھی جا پہنچی کہ ایک سادھو مہاتما آیا ہے اور اس کے محل کے سامنے درخت سے لٹک کر پرائسچت کر رہا ہے۔ راجہ بہت خوش ہوا اور اپنے تئیں خوش قسمت جان کر سادھو کے درشن کرنے گیا۔ سادھو نے اسی طرح لٹکے اسے بہت سی دعائیں دیں راجہ بہت

مسرور ہوا۔ اور اس نے بدمعاش سادھو کیلئے بہت سا کھانا اور چڑھاوا بھیجا۔

ایک دن اتفاق سے راجہ کی پتری جسکا نام ہنس موتی تھا۔ اپنے ہاتھی پر بیٹھی ادھر سے گزری اور سادھو کو درخت سے لٹکے دیکھا۔ یکایک اس نظارے سے اس کی طبیعت گدگدائی اور وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ سادھو نے اس کی ہنسی سن لی وہ درخت سے اترا اور راجہ کے پاس پہنچکر کہنے لگا "مہاراج آپ کی پتری مجھ پر ہنستی ہے اور میری تپسیہ میں بھنگ ڈالتی ہے پچھلے زمانہ میں بہت سے مہارشیوں نے اسی طرح کی نفرت اور مذاق سے چڑھ کر اپنے ستانیوالوں کو سراپ اور کڑی سزائیں دی تھیں۔ مگر میں تمہاری پتری کو بخشتا ہوں اور تمہاری راجدھانی کو سراپ دیتا ہوں کہ اس میں بیس سال تک بارش بالکل نہ ہو"

راجہ نادان تھا یہ سن کر بہت ڈرا۔ اور سادھو کی بنتی کرنے لگا۔ سادھو بظاہر شانت ہو کر کہنے لگا "اچھا میں اس مرتبہ سراپ نہیں دیتا۔ پرنتو یاد رکھو کہ اگر پھر کبھی ایسا ہوا تو تمہاری خیر نہیں" یہ کہہ کر وہ پھر درخت سے لٹک گیا۔ اور راجہ نے اپنی پتری کو بہت ملامت کی۔

لیکن دوسرے ہی دن راجکماری پھر وہاں سے گزری اور سادھو کو لٹکتے دیکھا۔ اس کا من پھر لہرایا اور وہ پتا کے ساتھ کیا ہوا بچن بھول گئی۔ اور آگے سے بھی زیادہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگی۔ سادھو پھر راجہ کے پاس پہنچا، راجہ کا رنگ خوف کے مارے اڑ گیا، اس نے سمجھا بجھا کر ایک مرتبہ پھر سادھو کے کرودھ کی

آگ گو ٹھنڈا کیا، سادھو پھر درخت سے لٹک گیا۔ راجہ نے اپنی پتری کو لعنت ملامت کی، اور اس نے پھر بچن دیا کہ وہ اب سادھو کو نہ ستائے گی۔

دو دن تک ہنس موتی اودھر نہ گئی۔ اور ایک اور راستہ سے گزرتی رہی تاکہ سادھو کو نہ ستائے۔ لیکن تیسرے دن وہ بھول گئی۔ اور پھر اسی درخت کے پاس سے گزرتے ہوئے اس سادھو کو ٹنگے دیکھا۔ اچانک ایسا محسوس کہ خود شیوجی نے اسے اشارہ کیا ہے۔ وہ کھل کھلا کر ہنس دی اور دیر تک دیوانہ وار ہنستی گئی۔ یہانتک کہ وہ راج محل میں بھی پہنچ گئی۔

سادھو درخت سے اترا۔ اور راجہ کے پاس جا کر کہنے لگا "تمہاری راجدھانی پر ضرور کوئی تباہی آنیوالی ہے۔ تمہاری پتری کے سر پر کوئی بھوت سوار ہے۔ اس نے پھر پہلے سے بڑھ کر میری ہنسی اڑائی ہے۔ اُسنے میرے گیان دھیان میں بھنگ ڈالکر میری سالوں کی تپسیا کا ناش کر ڈالا ہے۔ اب تم میرے انتقام کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

راجہ نے بے بس ہو کر کہا "مہاتماجی کیا میری پتری کے اس روگ کا کوئی علاج نہیں؟"

سادھو بولا "کیا وہ یونہی میری تپسیا کا ناش کرتی رہیگی۔ یقیناً تمہاری پتری کے روگ کا کوئی علاج نہیں۔"

راجہ نے کہا "کیا وہ تندرست نہیں ہو سکتی، کیا تمہیں کوئی جادو ٹونا یاد نہیں جس سے اس کا یہ روگ جاتا رہے۔"

یہ سن کر وہ سادھو بدمعاش دل میں بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ اچھا میں

تم پر دیا کرتا ہوں۔ میں تمہاری پتری کو دیکھونگا۔ اور اس پر اپنا منتر پڑھونگا۔ اگر میں نے اسکا بے محل قہقہہ مارنے والا بھوت نکال لیا تو بہتر ورنہ سراپ دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔

راجہ اسے راجکماری کے کمرے میں لیگیا۔ اور کہنے لگا پتری تیرے قہقہہ نے مہاتما جی کی تپسیا ناش کی ہے۔ اب یہ کرپا کرکے اُس قہقہہ مارنے والے بھوت کو نکالنے آئے ہیں جو تمہارے سر پر سوار ہے۔ اگر وہ بھوت نہ نکلا۔ تو میری راجدھانی انکے سراپ سے تباہ ہو جائیگی

سادھو کہنے لگا "مہاراج مجھے راجکماری کے پاس تنہا چھوڑ دیں۔ آپ سب چلے جائیں۔

لیکن راجہ سادھو کو ایک طرف لے جاکر کہنے لگا "مہاتما جی میری پتری کسی مرد کیساتھ تنہا نہیں رہ سکتی"۔

سادھو نے جواب دیا "ڈرومت، میں مرد نہیں، مدت ہوئی میں نے مردانگی بندھیاچل کے باسی پر قربان کر دی ہے"۔

راجکماری ہس موتی نے یہ سب باتیں سن لیں اور دل میں کہنے لگی۔ پتاجی بیوقوف ہیں یہ سادھو ضرور میری عصمت برباد کرنی چاہتا ہے۔ پرنتو اسے معلوم ہو جائیگا کہ میں ہنسنے سے زیادہ اور بہت کچھ کر سکتی ہوں۔ اس نے پتاجی کو راضی کر لیا۔ اور اپنی سکھیوں کو دوسرے کمرے میں چھپ کر تیار رہنے کا حکم دیا۔ جب سادھو اور راجکماری تنہا رہ گئے۔ تو سادھو کا شیطانی جذبہ بھڑک اٹھا۔ اس نے ایک دائرہ کھینچا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے راجکماری کو اس میں بٹھا دیا۔ اور تھوڑی دیر تک کچھ منتر پڑھنے کے بعد کہنے لگا "پتری اپنے دنیاوی کپڑے اتار دو اور قدرتی

لباس میں بیٹھ جاؤ! اگر ایسا نہ کروگی تو میرا منتر کام نہیں کریگا۔"
لیکن ہنس مورتی نے کہا" یہ ناممکن ہے مہاتماجی "
یہ سنتے ہی سادھو نے اُسے زبردستی پکڑ لیا۔ مگر راجکماری نے تالی بجادی اسکی سکھیوں نے اندر آ کر سادھو کو پکڑ لیا۔
راجکماری نے کہا" اس بدمعاش کو اچھی طرح دیکھو۔ اور بتاؤ کہ یہ مرد ہے یا کہ نہیں"۔
سکھیوں نے دیکھ بھال کے بعد ہنس کر کہا" راجکماری جی یہ تو پورا مرد ہے"۔
راجکماری بولی"۔ یہ بوچا تو اسے مردانگی سے محروم کردو"!
سکھیوں نے حکم کی پوری پوری تعمیل کردی۔ راجکماری نے سادھو سے کہا۔
" اب تم جا سکتے ہو۔ کیونکہ تمہارا منتر ختم ہو چکا ہے۔ ہاں اگر تم چاہو تو خوشی سے پتاجی سے شکایت کر سکتے ہو۔ میرے پاس تمہارے خلاف ثبوت موجود ہے!
سکھیوں نے سادھو کو چھوڑ دیا۔ وہ راجہ کے پاس آ کر ہنسنے اور کہنے لگا۔
" مہاراج مجھے مت روکئے! ہم نے کامیابی سے اپنا جادو کیا ہے یہ دیکھئے میں قہقہہ مارنیوالا اچھوت پکڑ کر ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ اتنا کہہ کر وہ ہنستا ہوا دل میں موت کا یقین لئے چلا گیا۔
" اب راجکماری جی آپ اُتر دیں کہ وہ سادھو ہنسا کیوں "۔
اتنا کہہ کر بھاگیرت چپ ہو گیا۔ راجکماری جی نے چین بجبیں ہو کر جواب دیا۔

"اس کی آتما کمزور تھی اسلئے وہ سکھیوں کے ہاتھوں موت سے بچ نکلنے پر ہنسا۔ اس نے اپنے منصوبہ اور اپنی مردانگی کی بربادی کو اپنی زندگی کے مقابلہ میں کچھ نہ سمجھا وہ منش جو بزدل ہوں اپنے جیون کے نقصان کو مہا پاپ سمجھتے ہیں لیکن مہاتما اسے کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اپنے ارادہ میں ناکام رہنے کی نسبت اپنے جیون کو ہزار بار تیاگ سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر راجکماری نے پرمعنی انداز سے راجہ کی طرف دیکھا اور اٹھ کر چلی گئی۔ اور ساتھ ہی اس کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# آٹھواں دن

# گنگا یاترا

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "میری محبوبہ نے تیرے سوال کا جواب دے دیا اور میرے سات دن برباد ہو گئے۔ پرنتو میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اس غصہ کی خاطر نہیں آہ! وہ اس کے سندر مکھ پر اسطرح نمودار ہوا تھا۔ جس طرح کسی سندر جھیل کی سطح پر لہریں۔ بلکہ ان شبدوں کی خاطر جو اس کے منہ سے نکلے۔ بیشک وہ ان شبدوں سے میرا دل بڑھانا چاہتی ہے وہ دانائی کا کامل نمونہ ہے۔ پرنتو یہ اس کی دانائی ہی تو ہے جس کے کارن اس تک رسائی نہیں ہو سکتی، افسوس اب تو اس کی تصویر بھی جدائی کی لمبی گھڑیوں میں میری آتما کو زندہ نہیں رکھ سکتی۔

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے گھبراہٹ میں گزار دی۔ جب سورج نکلا وہ بھی اٹھا دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں جب شام ہوئی تو دربار میں پہنچے۔ راجکماری زعفرانی ساری اور یاقوتوں سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ وہ راجہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

بھاگیرت آگے بڑھ کر بولا۔

"راجکماری جی کسی شہر میں ایک بیوقوف دنیادار برہمن رہتا تھا۔اس نے ایک مہاپاپ کیا۔اس کے گورو نے اس سے کہا۔کہ اگر تم گنگا جاؤ اور اپنی باقی زندگی اس میں اشنان کرتے رہو۔ تو تمہارے پاپ کا کفارہ ادا ہو سکتا ہے اور تمہارا پاپ دھل سکتا ہے۔گورو کا حکم سن کر اس برہمن نے اپنی ساری دولت اپنے بیٹے کو دیدی اور اپنا گڑوا اور ڈنڈا لے کر گنگا کو چل پڑا۔چند دنوں کے سفر کے بعد وہ ایک پہاڑی ندی کے کنارے پہنچا۔جس کا پانی گرمی کے باعث خشک ہو گیا تھا۔اُسے دیکھ کر اس برہمن نے دل میں کہا۔ہو نہو یہی پوتر گنگا ہے۔ اس نے وہیں اس ندی کے کنارے ڈیرہ جما دیا۔ ہر روز اسے جتنا پانی ملتا۔اس میں اشنان کر لیتا۔اسی طرح اشنان کرتے ۵ سال بیت گئے۔

ایک دن ایک پشوپت سادھو اس راستہ سے گزرا۔ اور اس برہمن سے کہنے لگا۔"پتر تم یہاں کیا کر رہے ہو"۔

برہمن نے جواب دیا۔"میں گنگا ماتا میں اشنان کر کے پاپ دھونے کیلئے پرائسچت کر رہا ہوں"۔

سادھو نے ہنس کر کہا۔"یہ ذلیل جوہڑ اور گنگا! میں بہت بوڑھا ہوں مگر میں نے دنیا میں اس سے بڑی حماقت نہیں دیکھی۔ بدنصیب شخص تمہیں کس نے بہکایا ہے ارے گنگا تو یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔اور اس ندی اور اس میں اتنی نسبت ہے۔جتنی ایک وملگوڑے اور مہر دیربت میں"۔

برہمن نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنا گڑوا اور ڈنڈا اٹھا کر آگے چل پڑا آخر وہ ایک بڑے سے دریا کے کنارے پہنچا۔ اور دل میں خوش ہو کر کہنے لگا۔ یہ ہے پوِتر گنگا۔ اور اس نے وہیں ڈیرا لگایا۔ اور ہر روز اس میں اشنان کرتا رہا۔ اس طرح ۵ سال بیت گئے۔ ایک دن کوئی کپالک سادھو وہاں آ نکلا اور کہنے لگا۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ اور گنگا جانے کی بجائے اس دریا میں اشنان کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو اس میں کوئی فائدہ نہیں!

برہمن نے حیران ہو کر کہا۔ "تو کیا یہ گنگا نہیں؟"

کپالک نے جواب دیا۔" یہ اور گنگا! کیا کوئی گیدڑ شیر بن سکتا ہے کیا کوئی چنڈال ایک برہمن کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ شاید تم کوئی خواب دیکھ رہے ہو۔"

برہمن نے افسوس سے کہا۔" نیک دل کپالک میں تمہارا بہت ممنون ہو تم نے میری آنکھیں کھولدیں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا گڑوا اور ڈنڈا اٹھایا اور آگے چل دیا۔ یہانتک کہ وہ نربدا کے کنارے جا پہنچا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ "یہ ہے پوتر گنگا۔" اور بہت خوش ہوا اور ہر روز اشنان کرتا رہا۔ اسی طرح ۵ سال بیت گئے۔ ایک دن اس نے اس کے کنارے ایک دریاتری دیکھا۔ جو دریا میں پھول ڈال رہا تھا اور اس کا نام جپ رہا تھا۔ اس برہمن نے اس کے پاس جا کر پوچھا۔" اس دریا کا نام کیا ہے"۔

اس یاتری نے کہا۔" کیا تم نربدا کو نہیں جانتے۔"

برہمن نے کہا۔" آہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں"۔

وہ اپنا گڑوہ اور ڈنڈا اٹھا کر آگے چل پڑا۔ مگر اب وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اور اس کی طاقت اسے جواب دینے لگی تھی۔ لگاتار ریاضت نے اس کے شریر کو کمزور بنا دیا تھا۔ مگر اسی طرح وہ تپتی ہوئی زمین پر گرتا پڑتا چلتا گیا۔ گرمی کی شدت کے باعث اسے بخار چڑھ گیا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور چلتا گیا۔ وہ دن بدن کمزور ہوتا گیا۔ اور دم توڑنے لگا۔ لیکن اس نے اپنی رہی سہی طاقت جمع کر کے ایک آخری کوشش کی اور ایک پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ پرماتما کی لیلا دیکھو۔ یکایک اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے گنگا کا بے پایاں دریا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیا جس کے کنارے لاکھوں یاتری اپنے پاپ دھونے کے لئے اشنان کر رہے تھے۔ وہ درد اور تکلیف سے چلایا۔ گنگا ماتا! افسوس میں جیون بھر تیری تلاش میں بھٹکتا پھرا۔ اور اب تیرے سامنے بیکسی کی موت مر رہا ہوں۔

اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور گنگا کنارے پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا۔ لیکن جب وہ دوسری دنیا میں پہنچا تو یم نے چترگپت سے کہا۔" اس منش کا کیا دوش ہے!"

چترگپت نے کہا۔ اس نے مہا پاپ کیا تھا۔ لیکن پندرہ برس گنگا کنارے پرائسچت کر کے پاپ دھو چکا ہے"۔

برہمن یہ سن کر حیران ہوا اور کہنے لگا۔" مہاراج یہ غلط ہے میں تو کبھی گنگا

کنارے نہیں پہنچا۔" یہ سن کر یم مسکرایا۔

" اب راجکماری جی آپ اتر دیں کہ یم مسکرایا کیوں"۔

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری بولی۔ یم سچا تھا اور غلطی نہ کر سکتا تھا۔ اور چتر گپت دھوکا نہ کھا سکتا تھا۔ مگر یہ دنیا دھوکہ کے سوا کیا ہے۔ غلیظ آتما کے ساتھ کفارہ ادا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں خواہ وہ اصلی گنگا ہی کے کنارے کیوں نہ کیا جائے۔ مگر اس غریب اور سادہ دل برہمن کا کفارہ جو اس وشواش کیسا تھ کیا گیا تھا۔ کہ وہ گنگا کے کنارے پہنچ چکا ہے پرماتما نے منظور کر لیا۔ عام لوگ عقل کی گمراہ کن شہادت پر فیصلہ کرتے ہیں مگر دیوتا من کی حالت سے پرکھتے ہیں"۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ اور ساتھ ہی راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے ؛؛

# نوال دن

# پشیمان بیوی

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "مترا راجکماری پھر جیت گئی اور میرے آٹھ دن برباد ہو گئے، پرنتو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس تبسم کی خاطر جو اس کے لبوں پر جاتے وقت کھیل رہا تھا۔ آہ! وہ تبسم میری آتما میں اس طرح جگمگاتا ہے جس طرح جھیل مانس کی سطح پر تیرنے والے راج ہنسوں کے پر چمکتے ہیں۔ مگر افسوس اب تو تصویر بھی مشکل سے صبح تک زندہ رکھے گی۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے پریشانی کے عالم میں گزار دی جب سورج نکلا۔ وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں، جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے راجکماری قرمزی ساری اور صیقل کئے سونے سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل کرتی سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے خوشی سے راجہ کی طرف دیکھا، راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اسکی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی کسی شہر میں ایک امیر سوداگر تھا جس کی ایک سندر بیوی تھی۔ جسے وہ اپنی آتما سے بڑھ کر پیار کرتا تھا۔ مگر اس کا چال چلن بہت خراب تھا اور

وہ اپنے پتی سے بیزار تھی۔ اور خود مختار رہتی تھی۔ اسے ایک اور پرش سے پریم تھا، وہ ایک جذباتی استری تھی۔ اس کی حالت جنگل کی آگ میں جلنے والے پتنگے کی سی تھی۔ گو وہ سوداگر محبت کے مارے اس کے سارے قصور معاف کر دیتا، مگر وہ اسے بہت برا جانتی اور اس سے نفرت کرتی۔

ایک دن اس نے اپنی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ گلی میں ایک سندر جوان کو دیکھا وہ بیتاب ہو گئی اور پتی کا گھر بار چھوڑ کر اس نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی۔ سوداگر کو پتہ چلا تو مایوسی سے تڑپنے لگا۔ لیکن اس امید نے کہ شاید کبھی واپس آجائے اس کی جان بچا لی۔ یہ سچ ہے، امیداں لوگوں کو بندھن میں باندھے رکھتی ہے جنہیں جدائی بدنصیب بنا دے! بیوی کے بھاگ جانے کے بعد اسے دنیا کی ہر چیز سے نفرت ہو گئی اور وہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ چھاڑ کر مفلس بن گیا۔ وہ دوستوں کی نظروں میں حقیر ہو گیا۔ غمزدہ ہو کر وہ اپنے خالی مکان میں پڑا رہتا۔ اور رات دن اپنی بیوی کی یاد میں رہتا اسی طرح تین سال گزر گئے۔ اپنی بدبختی کی تاریکی میں اسے جدائی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی سے لمبا معلوم ہوتا تھا۔

اس عرصہ میں اسکی بیوی اس نوجوان سے اکتا کر ایک اور آشنا کیساتھ بھاگ گئی اور پھر ایک اور کے پاس چلی گئی اور جس طرح شہد کی مکھی ایک پھول کا رس چوس کر دوسرے پر جا بیٹھتی ہے اسی طرح وہ ایک مرد سے دوسرے کے پاس جاتی رہی۔ ایک رات جب وہ ایک سوداگر بچہ کے ساتھ سیج پر سوتی ہوئی تھی۔ وہ سوداگر بچہ اس کے حسن کی تعریف میں اسکے پاؤں کا بوسہ لینے کے لئے جھکا۔ اس کے ارادہ

سے وہ بے خبر تھی۔ اس نے جھٹ اپنا پاؤں کھینچ لیا۔ جو اس کے کان کے آویزہ
میں الجھ گیا۔ اور زخمی ہو گیا۔ زخم اچھا ہو گیا۔ مگر اس کا نشان باقی رہ گیا۔

اس بات کو تین سال گزر گئے۔ ایک دن وہ سوداگر اپنے ویران مکان میں تنہا
تصور میں اپنی بیوی کی شکل دیکھ رہا تھا۔ کہ دروازہ پر دستک ہوئی، اس کے نوکر مدت
ہوئی تنخواہیں نہ ملنے پر اُسے چھوڑ گئے تھے۔ اس لئے وہ خود دروازہ کھولنے گیا۔ جونہی
اس نے دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا۔ کہ اس کی بیوی اس کے روبرو کھڑی ہے
وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ اس کے حسن کا پھول مرجھا چکا تھا اس کے جسم پر چیتھڑے تھے
اور وہ سر سے پاؤں تک گرد میں اٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے پتی کیطرف اشک
آلود، شرمندہ اور پرخوف آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکان سے دروازہ
کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ جب اس کے پتی نے اس کی یہ درگت دیکھی تو اس کا
دل بے چین ہو گیا۔ اور اس کے منہ سے حیرت اور مسرت کی ایک چیخ نکل گئی۔ وہ
اسے گود میں اٹھا کر مکان کے اندر لے گیا اور اس بستر پر لٹا دیا۔ جسے وہ سونا کر
کے چلی گئی تھی۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں کیساتھ اس کی سیوا کی۔ اسے
کھانا کھلایا اور اس کے جسم سے گرد صاف کی، اس کے دل سے خوف دور کیا
اور اس کے من کو شانت کیا۔ اس نے زبان سے کوئی سخت کلمہ نہ نکالا، بلکہ
ہنس کر اسے اشیرباد دی اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کبھی سپنے میں بھی اسے چھوڑ
کر نہیں گئی تھی۔ وہ اسے پیار کرنے لگا۔ اور اس

کرنے لگا۔ اتنے میں اس کی نگاہ اس کے پاؤں کے اس نشان پر پڑی جو سوداگر بچہ کیساتھ محبت کرتے وقت اس کے کان کے آویزہ سے لگا تھا۔ اور اس نے اس پر انگلی رکھ کر بڑے پیار سے کہا "غریب سندر پاؤں! آخر تمہیں آرام کی جگہ مل گئی"۔

اس کی بیوی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور کھل کھلا کر ہنس پڑی، اسکا دل ٹوٹ گیا اور وہ اسی وقت مرگئی۔ یہ دیکھ کر سوداگر تڑپنے لگا اور اس کے چرنوں میں گر کر مر گیا۔

"راجکماری جی اب آپ اُتر دیں کہ سوداگر کی بیوی کا دل کیوں ٹوٹا؟"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری بولی :۔

"اس کا دل غم سے ٹوٹ گیا۔ کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ میرا پتی میرے بُرے کرم کو بھی پیار کی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے وہ واقعہ یاد آگیا جس کے کارن اس کے پاؤں پر وہ زخم لگا تھا۔ وہ شرمسار ہو گئی اس کے دل میں پچھتاوے کا بے پناہ دریا ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اس طوفان کو اس کا دل برداشت نہ کر سکا اور وہ مر گئی"۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور پرافسوس نظروں سے راجہ کیطرف دیکھتی ہوئی چلی گئی اور راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# دسواں دن

# لاڈلا

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر میرے نو دن برباد ہو گئے اور اب میں ڈرنے لگا ہوں سمجھ لو کہ اگر میری محبوبہ مجھے نہ مل سکی تو میں کبھی تم کو معاف نہ کروں گا۔ اب وہ میری طرف پہلے جیسی نگاہوں سے نہیں دیکھتی۔ اب اس کے نینوں میں دیا جھلکتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جدائی کی آگ میں جل رہی ہے اب تم کوئی ایسا مشکل سوال سوچو کہ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑے اس عرصہ میں، میں اس کی تصویر کے سہارے اپنی آتما کو شریر سے باہر نکلنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے پریشانی کے عالم میں گزار دی۔ جب سورج نکلا، تو وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں جب شام ہوئی پھر دونوں دربار میں پہنچے۔ راجکماری ایک چمکدار ساری اور یاقوتوں سے مرصع چولی میں ملبوس بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری، راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا اور حیرت سے راجکماری کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت بولا۔

" راجکماری جی، کسی شہر میں ایک گندمی رنگ کے بالوں والا پہلوان رہتا تھا جس کے گھر میں ایک لاڈلا تھا ایک دن وہ گھر آیا تو اس نے اسے موجود نہ پایا۔ وہ دوڑ کر بازار میں گیا

اور اسے تلاش کرنے لگا۔ ایک آدمی کو بازار کی نکڑ پر بیٹھے دیکھ کر پوچھنے لگا۔"کیا تم نے میرا لاڈلا دیکھا ہے۔"

وہ آدمی کہنے لگا۔"کیا اس کی گردن میں ڈوری بندھی تھی؟"

پہلوان بولا۔"ہاں!"

وہ آدمی کہنے لگا۔"وہ اس راستہ سے گیا ہے۔"

ایک اور آدمی اس پہلوان سے کہنے لگا۔"میں نے اسے چاروں ٹانگوں پر کھڑے دیوار کے ساتھ رینگتے دیکھا ہے۔"

پھر ایک اور کہنے لگا۔"میں نے اسے دو ٹانگوں پر کھڑے اس دیوار کو پھاندنے کی کوشش کرتے دیکھا ہے۔"

اور تیسرے نے کہا۔"میں نے اسے تین ٹانگوں پر کھڑے چوتھی سے سر کھجاتے دیکھا ہے"

پہلوان ذرا اور آگے بڑھا۔ اسے ایک دھوبی ملا جس نے اسے بتایا کہ وہ اس راستے آیا تھا اور پانی میں اپنا عکس دیکھ کر منہ چڑاتا تھا۔ وہ آگے گیا۔ تو اسے ایک میوہ فروش ملا جس نے کہا۔"میں نے اسے درخت کے نیچے بیٹھے ایک خون آلودہ کوّے کے پر نوچتے دیکھا تھا اور میں نے اسے مٹھی بھر مونگ پھلی دی تھی۔"

وہ اور آگے بڑھا تو اسے دو آدمی باتیں کرتے ملے۔ اس نے ان سے پوچھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔"ہم نے اسے اس کے ہم جنس کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہ اس کے بالوں میں سے جوئیں نکال رہا تھا۔"

دوسرے نے کہا" بالوں کا رنگ کیسا تھا؟
پہلوان نے جواب دیا" میرے بالوں کی طرح گندمی؟"
دوسرے شخص نے کہا" تو پھر وہ اس درخت کی ایک ٹہنی پر بیٹھا جھولا جھول رہا ہے"
" اب راجکماری جی! آپ اتر دیں کہ پہلوان کا لاڈلا کونسا حیوان تھا؟"
اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری نے مسکرا کر جواب دیا" وہ کوئی لنگور نہ تھا
بلکہ انسان کا بچہ تھا اور شاید پہلوان کا بیٹا تھا"
یہ کہہ کر وہ اٹھی، اور راجہ کی طرف مہربان نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ اور اپنے
ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# گیارھواں دن

# پروہت

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "منتر! راجکماری ابھی تک نہیں ہاری اور میرے دس دن برباد ہو گئے۔ پرنتو! میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ کاش تم اپنی کہانی اتنی مختصر نہ کہتے کیونکہ وہ شروع ہوتے ہی ختم ہو گئی اور اس طرح میری مسرت کی پیاس نہ بجھی، اس پیاسے منش کی طرح، جس نے تھوڑا سا پانی پیا ہو اور مجھے اسے اچھی طرح دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ میرے منتر تم اپنی کہانیوں کو اور لمبا کرنے کی کوشش کیا کرو۔ نہیں تو میں بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ اب مجھے اس تصویر کی معمولی مدد کے ساتھ جدائی کی ایک اور رات کاٹنی پڑے گی جو اس کے مقابلہ میں ہیچ معلوم ہونے لگی ہے۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے خوف کی حالت میں گزار دی۔ جب سورج نکلا۔ وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں۔ جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے۔ راجکماری ایک زمردیں ساری اور حجر القمر سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے محبت بھرے نینوں سے راجہ کی طرف دیکھا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا،

"راجکماری جی، ایک راجہ تھا جس کے گھر کا ایک پروہت تھا۔ یہ پروہت ایک اور پرش کی استری سے پریم کرتا تھا۔ وہ استری بڑی چالاک تھی۔ اور اس کے پریم کا جواب پریم سے دیتی تھی۔ مگر اپنے پتی کی چوکس بدگمانی کیوجہ سے پروہت سے نہیں مل سکتی تھی۔ جب پروہت نے دیکھا کہ یوں دونوں نہیں مل سکتے۔ اس نے اس کے پتی سے یارانہ گانٹھا، اور اس پر بڑی دیا کرنے لگا۔ پروہت یوگ میں ماہر تھا۔ اس لئے اس نے پتی پر اپنی دوستی کا اچھا اثر ڈالا۔ اور ایک دن اس سے کہنے لگا" میں اپنی ودیا کے بل پر دوسروں کے شریر میں داخل ہوسکتا ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ منتر تمہیں بھی بتا سکتا ہوں۔

نادان پتی جو اس کے بُرے ارادے سے بے خبر تھا۔ خوشی سے راضی ہوگیا۔ ایک دن وہ پروہت اسے مرگھٹ میں لے گیا اور منتر پڑھنے لگا۔ دونوں کی آتمائیں ان کے شریروں سے نکل گئیں۔ پروہت جھٹ اس پتی کے شریر میں داخل ہوگیا اور اپنی چال کی کامیابی پر مسرور ہوکر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی محبوبہ کے گھر کو دوڑا۔ اس پتی نے اپنے تئیں اپنے شریر سے محروم دیکھ کر کہا" افسوس میں برباد ہوگیا۔ پرنتو وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی آتما کے خلاف پروہت کے شریر میں جو قریب ہی پڑا تھا۔ داخل ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اور غمگین ہوکر مرگھٹ سے لوٹا۔ اتفاق دیکھئے اس وقت اس کے دماغ میں اور طرح کے خیالات تھے۔ اس کے قدم خود بخود اسے پروہت کے مکان کی جانب لے چلے جس کے شریر کا وہ اس وقت مالک تھا۔

اس عرصہ میں اس کی استری ہجر کی آگ سے بیتاب ہوگئی اور جدائی کی گھڑیوں کی تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ اور اپنے پتی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر ایک بھسریکا کیطرح اپنے پریمی پروہت کے مکان کی طرف چلدی۔ ادھر پروہت اُس کے گھر پہنچ گیا مگر اسے نہ پا کر وہیں ٹھہر گیا۔ اور اپنی قسمت پر سو سو لعنت بھیجتا، ساری رات بیچینی سے انتظار کرتا رہا۔ ادھر وہ استری اس سے پہلے کہ اس کا پتی پروہت کے شتر یہ میں پروہت کے گھر پہنچے۔ خود پروہت کے گھر پہنچ گئی۔ جب اس کا پتی مکان میں داخل ہوا تو اپنی استری کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس استری کو کیا پتہ کہ یہ خود اس کا پتی ہے۔ اس نے اسے اپنا پریمی پروہت سمجھا اور دوڑ کر اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال کر کہنے لگی "پیارے آخر میں نے تمہیں پالیا" وہ نادان پتی جامہ میں پھولا نہ سمایا۔ کیونکہ ایک عرصہ سے اس کی بیوی اس سے سرد مہری سے پیش آتی رہی تھی۔ اور اس لمحہ کی مسرت میں سب کچھ بھول گیا۔ اور ساری رات اپنی بیوی کیساتھ چین سے بسر کر دی۔

صبح سویرے جبکہ وہ سو رہا تھا اس کی بیوی اٹھ کر اپنے گھر چلدی، اُدھر وہ پروہت انتظار سے تنگ آکر نہایت غضب میں اس کے گھر سے نکلا اور اپنے مکان کیطرف چل دیا۔ جب وہاں پہنچا تو اپنی محبوبہ کے پتی کو اپنے شتر یہ میں بستر پر لیٹے دیکھ کر حیران ہوا۔ اس نے اسے جگایا اور کہا "تم میرے بستر پر لیٹے کیا کر رہے ہو"

اس پتی نے جواب دیا۔ "اور تمہارا میرے شتر یہ میں بھاگ جانے سے کیا مطلب؟"

پروہت بولا، "بس میں نے تمہارے حقیر شریر میں داخل ہو کر نرک کا دکھ بھوگا ہے! دو میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اسے آگ میں جھونک دوں"۔

پتی نے خوف سے کانپ کر کہا "میں کیا کر سکتا تھا، میرے پاس اور کوئی شریر نہ تھا، جس میں داخل ہوتا۔ اب جتنی جلدی ہو سکے میرا شریر مجھے واپس دیدو، اور اپنا لے لو"۔

پروہت اسے مرگھٹ میں لے گیا اور منتر پڑھنے لگا۔ دونوں کی آتمائیں شریروں سے باہر نکل آئیں اور اپنے اپنے شریر میں داخل ہو گئیں۔

جب وہ پتی اپنے شریر میں داخل ہوا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی سپنے سے جاگا ہے اسے ساری باتیں یاد آگئیں اور وہ کہنے لگا۔ "بدمعاش پروہت! یہ تم تھے جس نے میری بیوی کو ساری رات اپنے پاس رکھا"۔

پروہت نے جواب دیا "بیوقوف مجھے تمہاری بیوی سے کیا کام؟"

لیکن وہ پتی غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور اسے پکڑ کر راجہ کے نیائے منتری کے سامنے لے گیا، اور پھر اپنی بیوی کو پیش کر کے کہنے لگا۔ "سرکار ان دونوں بدکاروں کو کڑی سزا دیجئے۔ انہوں نے میری عزت برباد کر دی"۔

پروہت نے کہا "میں نے تمہاری بیوی کو چھوا تک نہیں!"

اس کی بیوی کہنے لگی "تم کس بات کی شکایت کرتے ہو۔ کیا تم نے مجھے اپنی آغوش میں نہیں لیا تھا؟"

لیکن نیائے منتری پریشان سا ہو گیا اسے کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

"اب راجکماری جی آپ اس مقدمہ کا فیصلہ کریں"۔

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہوگیا۔ راجکماری کہنے لگی" پروہت بدمعاش تھا اور مکاری سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا۔ پرنتو وہ قانون کے سامنے جوابدہ نہیں کیونکہ اس نے جو منصوبہ باندھا اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا! اس استری نے پاپ کیا، مگر اپنے پتی کی آنکھوں کے سامنے اس کی رضامندی سے کیا۔ جو اس کے اس کام پر خوش ہوا، لیکن وہ جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اور یوں اس نے اپنی عزت کی بربادی میں اپنی بیوی کی مدد کی۔ وہ نفرت اور تمسخر کے سوا کسی بات کا مستحق نہیں اس لئے ان تینوں کو بری کر دیا جائے اور مقدمہ برخواست کر دیا جائے"۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور بددل ہو کر چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے ۔

# بارھواں دن

# ہاتھی اور چیونٹیاں

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "منتر میں تمہاری کہانیوں کا بہت تھوڑا حصہ سنتا ہوں میری محبوبہ کا حسن مجھے بیخود بنا دیتا ہے اور میرے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ پرنتو میں جانتا ہوں کہ اسکی عقل عام انسانوں سے بلند تر ہے کیونکہ ابھی تک تم اُسے کسی الجھن میں پھنسانے میں کامیاب نہیں ہوئے اب میرے گیارہ دن برباد ہو گئے اور صرف دس دن باقی رہ گئے۔ اگر میں اسے حاصل نہ کر سکا تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گا دن بدن اسکی نگاہیں زیادہ مہربان ہوتی جا رہی ہیں اور جدائی کی گھڑیاں زیادہ ڈراؤنی! اب تو اس تصویر میں بھی کشش نہیں رہی۔ جو مجھے تسکین دے سکے اور مجھے شک ہے کہ میں کل تک زندہ بھی رہونگا یا نہیں!"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے بخار کی سی عالت میں گزار دی۔ جب سورج نکلا تو وہ بھی اُٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں۔ جب شام ہوئی دونوں دربار میں پہنچے، راجکماری ایک گلابی ساری اور مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پہ تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے پر شوق نگاہوں سے راجہ کیطرف دیکھا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی! کسی جنگل میں ایک ہاتھی تھا جو جنگل کے ہاتھیوں کا راجہ تھا، وہ اندر کی بجلی کی

طرح جنگل میں اِدھر اُدھر دوڑتا ۔ جب وہ جھاڑ ببول کو پاؤں تلے روندتا اور درختوں کو جڑ سے اکھاڑتا تو اس کی مضبوط کنپٹیوں سے پسینہ کی نہریں چھوٹنے لگتیں ۔ جب اسکا من ان کھیلوں سے شانت ہو جاتا ۔ تو وہ آہستہ آہستہ ایک پہاڑ کی طرح اپنے گلے کے آگے آگے چلتا ، اور پھر کسی دمکوڑے کے پاس پہنچکر اس میں اپنے دانت گاڑ دیتا اور ساری مٹی الٹ دیتا پھر ذرا اور آگے بڑھ کر ایک چشمہ کے پاس کھڑا ہو جاتا اور اپنی سونڈ میں پانی بھر کر اپنے پہلوؤں میں پھینکتا پھر چشمہ کے کنارے میں دانت گاڑ دیتا اور ایک درخت کا سہارا لیئے دھیرے دھیرے جھومتا آنکھیں بند کیئے چھاج جیسے کان ہلاتا اور سونڈ لٹکا کر کھڑا ہو جاتا اس کے دو دانت اس کے سیاہ نیلگوں جسم میں اس طرح دکھائی دیتے جیسے سیاہ بادلوں میں سفید ہنسوں کی دوہری قطار !

چیونٹیاں ان دمکوڑوں کی بربادی سے پریشان ہو گئیں اور ہزاروں مرگئیں ، آخر تنگ آکر کہنے لگیں " کیا اس بدمعاش ہاتھی کے وحشی کھیل سے ہم یونہی مرتی چلی جائیں گی اور انہوں نے اپنی چیونٹیوں کی موت کا بدلہ لینے کیلیئے ایک وفد بھیجنا چاہا ، اور اپنے میں سے سات دانا چیونٹیاں چن کر ہاتھیوں کے پاس بھیجیں ۔ ساتوں ایلچی ایک قطار میں رینگتے ہوئے اس درخت کے پاس پہنچے جسکا سہارا لینے کے لئے ہاتھیوں کا راجہ کھڑا تھا ۔ وہ درخت پر چڑھ گئیں اور اس کے کان کے برابر پہنچکر کہا ۔ مہاراج چیونٹیوں نے ہمیں آپ سے اپنی نسل کی ہزاروں چیونٹیوں کی موت کا ہرجانہ طلب کرنے بھیجا ہے ۔ اگر آپ نہیں دینگے ، تو پھر یدھ کے بغیر چارہ نہیں ۔ یہ سن کر ہاتھی نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور درخت کے تنے پر چیونٹیوں کی قطار دیکھ کر دل میں ہنسا کہنے لگا " خوب کیا کہنے ! یہ حقیر چیونٹیاں ہمارا کیا بگاڑ لیں گی "

پھر اس نے سونڈ میں پانی بھر کر ان پر پھینکا اور انہیں مار ڈالا۔

جب چیونٹیوں نے اپنے ایلچیوں کی موت کا حال سنا تو وہ از حد غضبناک ہوئیں جب رات ہوئی لاکھوں چیونٹیاں جمع ہو گئیں اور رینگتی ہوئی ہاتھیوں کی طرف بڑھیں اور سوئے ہوئے ہاتھیوں کے پاؤں کی کھال اور تلوں کو ڈسنے لگیں۔ دن چڑھا ہاتھی اٹھنے لگے مگر ان کے پاؤں از حد زخمی ہو چکے تھے وہ درد اور غضب سے چنگھاڑتے ہوئے جنگل میں دوڑنے لگے اور درختوں کو تباہ کرنے لگے لیکن وہ چیونٹیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ کیونکہ وہ زمین میں بہت نیچے چلی گئی تھیں۔ ہاتھی جتنا دوڑتے اتنا ہی ان کے پاؤں خراب ہوتے جاتے۔ آخر وہ تنگ آ کر جنگ سے دستبردار ہو گئے اور ڈر کر چیونٹیوں سے صلح کرنے کے مشورے کرنے لگے۔ مگر انہیں کوئی چیونٹی نہ مل سکی جس سے وہ گفتگو کرتے آخر انہوں نے ایک چوہیا کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ جو زمین میں چیونٹیوں کے پاس گئی اور انہیں ہاتھیوں کا پیغام سنا دیا۔ لیکن چیونٹیوں نے جواب دیا "جب تک ہاتھی اپنے راجہ کو ہمارے حوالہ نہ کرینگے ہم ہرگز صلح نہ کریں گی ہم اس مورکھ کو مار کر اپنی لاکھوں چیونٹیوں کی موت کا بدلہ لیں گی چوہیا نے آکر ہاتھیوں کو یہ جواب سنا دیا۔ انہوں نے اپنی بے بسی دیکھ کر ہار مان لی۔

ہاتھیوں کا راجہ سر اور کان نیچے کئے اپنے تئیں چیونٹیوں کے حوالے کرنے کیلئے جنگل میں اکیلا پہنچ گیا۔ چیونٹیوں نے شامی کی بیل سے کہا "اس بدکار کو پکڑ لو نہیں تو ہم تمہاری جڑ کاٹ کر تمہارا ناش کر دیں گی"۔ وہ بیل ہاتھی کے گرد لپٹ گئی اور وہ اچھی طرح جکڑا گیا یہ دیکھ کر لاکھوں چیونٹیوں نے ہاتھی کو مٹی میں دفن کر دیا اور وہ ایک پہاڑی کی مانند دکھائی دینے لگا۔ کیڑے مکوڑے اس کا ماس کھانے لگے! اور اس کے دانتوں کے سوا اور کچھ نہ بچا۔ اس کے بعد

چیونٹیاں آرام سے جنگل میں رہنے لگیں۔ اور ہاتھیوں نے ایک اور راجہ چن لیا۔

اب راجکماری جی آپ اتر دیں کہ اس کہانی سے نتیجہ کیا نکلا؟"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری پل بھر سوچنے کے بعد کہنے لگی" کمزور مل کر بھی بلونت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاتھی آخر ہاتھی ہے اور چیونٹی چیونٹی! پر نتو بلونت کے بل کا اندازہ اس کی کسی کمزوری ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہاتھی اپنی کمزوری کو جانتے تو اپنے پاؤں بچا لیتے اور چیونٹیوں کا مذاق اڑاتے۔ ایک ہاتھی ساری دنیا کی چیونٹیوں کے لئے کافی ہے۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کو پرغم نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی کھینچ لے گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# تیرھواں دن

# سراب

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر، اگر میں پریم اور لوبھ سے اندھا نہیں، تو مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ راجکماری مجھ پر دیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مگر افسوس میرے بارہ دن برباد ہو گئے اور صرف نو دن رہ گئے ہیں۔ دیکھنا بھاگیرت کہیں ایسا نہ ہو کہ میری محبوبہ مجھے نہ ملے۔ اب تو یہ تصویر بھی مجھے تسکین نہیں دیتی۔ دن بدن اس کی مشابہت میں فرق آتا جاتا ہے اور اب یہ نفرت سے میری طرف دیکھتی ہے لیکن خود راجکماری میری طرف محبت سے دیکھتی ہے پتہ نہیں اس تصویر کے ساتھ میں صبح تک جدائی کی گھڑیاں کیونکر کاٹوں گا۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے تکتے اس حالت میں گزار دی جب سورج نکلا، تو وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں، جب شام ہوئی، دونوں دربار میں پہنچے۔ راجکماری نارنگی کے رنگ کی ساری اور جونیوں سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے۔ اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے محبت بھرے نینوں سے راجہ کی طرف دیکھا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

" راجکماری جی، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کارواں سالار تھا۔ جو ایک لق و دق صحرا کو عبور کر رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے اپنے سامنے کچھ فاصلہ پر ایک عظیم الشان شہر کی فصیل نظر آئی جس کے

پہلو میں ایک نیلگوں جھیل کا پانی جھلک رہا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ اسکے من میں اس شہر کو دیکھنے اور اس جھیل کا امرت چکھنے کی آشا لہریں لینے لگی۔ اور وہ اونٹ لے کر اس سمت روانہ ہوگیا۔ مگر وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ یکایک وہ سب کچھ غائب ہوگیا۔ اور وہ تنہا رہ گیا۔ ہر طرف ریت ہی ریت اور سر پر جھلس دینے والا سورج تھا۔ نہ کوئی شہر تھا نہ جھیل! وہ دل سے کہنے لگا۔ "عجب ماجرا ہے۔ پرنتو میں اپنی ساری دھن دولت دیکر بھی یہ شہر حاصل کرونگا۔" کارواں والوں میں سے ایک نے کہا۔ "سرکار! یہ سب کچھ سراب اور دھوکا ہے صحرا میں نہ کوئی شہر ہے نہ جھیل"۔

مگر اس نے اعتبار نہ کیا اور وہیں ڈیرہ جما کر دوسرے دن تک انتظار کیا۔ وہ اپنے باد رفتار اونٹ پر سوار ہوکر اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ مگر اسے شہر اور جھیل کا کچھ پتہ نہ ملا۔

اس نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور وہیں صحرا میں رہنے لگا! اور ہر روز اس شہر اور جھیل کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ جتنا وہ اس کی تلاش میں ناکام رہتا، اتنا ہی اس کی خواہش اور بھڑکتی۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کی ہر چیز سے بیگانہ ہوگیا۔

اس کی حالت خراب ہوگئی جب اس کے رشتہ داروں کو اس کی حماقت کی خبر ملی۔ تو وہ صحرا میں اس کے پاس پہنچے۔ اور کہنے لگے "تم کیا کر رہے ہو؟ پاگل کیوں ہو رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے، کہ یہ سب کچھ سراب ہے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ تم وہم کے پیچھے اپنا وقت ضائع کر کے دھن دولت برباد کر رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ آنکھوں کی شہادت کے سامنے تمہارے شبد کیا ہیں کیا ہیں

نے اپنی آنکھوں سے اس شہر اور جھیل کو نہیں دیکھا۔ یہ دھوکا کیونکر ہو سکتا ہے"۔
اس کے رشتہ دار غصہ سے کہنے لگے "بیوقوف یہ سراب ہے"۔
وہ بولا "اگر یہ سراب ہے تو بھر میں دیکھتا کسطرح ہوں۔ مجھے ذرا کھول کر بتاؤ"۔
لیکن وہ اُسے کچھ نہ بتا سکے، اور اسے بُرا بھلا کہنے لگے اور اس کی حماقت پر ہنسے اُسے صحرا میں تنہا چھوڑ آئے۔ مگر وہ وہیں ڈیرہ جمائے اپنی دولت اونٹ خریدنے اور اپنا وقت اُس شہر کی تلاش میں خرچ کرتا رہا۔ اس کی دولت ختم ہو گئی۔ اونٹ مر گئے اور وہ خود بھی صحرا میں مر گیا۔ سورج نے اس کی ہڈیاں سفید کر دیں۔
تب یہ کہانی دور دور پھیل گئی۔ لوگ کہنے لگے "اس میں کونسی مشکل بات ہے؟ صحرا کی گرمی نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا"۔ مگر اس کے رشتہ داروں نے کہا "اس دیوانے پر لعنت جس نے اپنی حماقت سے ہم سب کا ناش کر دیا"۔ ایک سادھو نے یہ کہانی سنی تو ہنس کر کہنے لگا۔
"سراب اور دھوکے کی لگن سب کیلئے دش ہے۔ مٹی کی گاگر لٹیا کو طعنہ دیتی ہے۔ تم پر لعنت! کیا تم بھی اپنے تئیں مٹی کی سمجھتی ہو"۔
"اب راجکماری جی آپ بتا دیں کہ اس سادھو کے ان شبدوں کا کیا مطلب ہے"۔
اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری بولی "اس کارواں سالار کے رشتہ داروں نے اس پر دیوانگی کا الزام لگایا جس کی وجہ سے اس نے سراب کو حقیقت جانا۔ مگر وہ یہ نہ جان سکے کہ خود بھی اس دنیا اور اس کی ختم ہونے والی دھن دولت کو حقیقت سمجھ کر اسی طرح اسکی تلاش میں پھرنے کے کارن کچھ کم دیوانے نہیں، یہ دنیا ایک سراب اور دھوکے کے

سوا کیا ہے، اسی لئے ان کی مثال مٹی کے برتنوں کی سی ہے جس میں گاگر لٹیا کو طعنہ دیتی ہے ؟

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی، اور درد بھرے نینوں سے راجہ کی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے ☙

# چودھواں دن

# سرخ ہونٹ

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر، یہ دن بھی برباد ہو گیا۔ اور اب صرف آٹھ دن باقی رہ گئے جدائی کی گھڑیاں خطرناک ہوتی جا رہی ہیں۔ اب تو تصویر کی دلکشی بھی چندرماں کی روشنی کی طرح پھیکی پڑتی جاتی ہے اور میری آتما کو مکمل تاریکی میں چھوڑ جانے کی دھمکی دیتی ہے۔ پرنتو اگر میں اپنی محبوبہ سے نہ مل سکا۔ تو جدائی کی ایک رات میرے جیون کے آگے کیا ہے"۔

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے بے چینی سے گزار دی۔ جب سورج نکلا وہ بھی اٹھا دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں۔ جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے، راجکماری ایک سیمیں ساری اور زبرجد سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ راجہ کی طرف دیکھ کر اسکا سینہ دھڑکنے لگا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی! کسی نگری کا راجہ تھا جسے دنیا بھر کی نایاب اور انمول چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ اور وہ ہر قیمت پر انہیں خرید لیا کرتا تھا۔ اس کے محل میں دنیا بھر کے سوداگر اس طرح آتے جسطرح دریا سمندر میں گرتے ہیں۔ ایک دن ایک سوداگر آیا اور راجہ سے کہنے لگا۔ مہاراج میں آپ کے لئے ایک ایسی وستو لایا ہوں، جس کا حسن اور ندرت میں کوئی ثانی نہیں

میں نے آپ کی فیاضی اور دریا دلی کو جانتے ہوئے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے حاصل کیا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے صندوقچہ سے ہاتھی دانت کا بنا ہوا، برف کی طرح سفید پیالہ نکالا جسکے کنارے خون کی طرح سرخ تھے۔ وہ سوداگر کہنے لگا "یہ وہ پیالہ ہے جسمیں لنکا کے راجہ کی پتری پینا کرتی تھی جو اپنے بیمثال حسن کے لئے تینوں لوکوں میں ایک مشہور رکھشی ہے۔ ہر روز پانی پیتی تھی۔ اسکا سندر اور کومل شریر دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی تمام استریوں کی خوبیاں اسمیں جمع ہو گئی ہیں۔ سب سے سندر اسکا منہ ہے۔ اس کے ہونٹ خون سے زیادہ سرخ ہیں۔ جن کے سامنے شنگرف کی سرخی بھی ماند ہے وہ ہر اس شخص کے چہرے سے خون نکال لیتی ہے جو ان ہونٹوں کو ایک نظر دیکھ لے۔ جس چیز کو وہ ایک مرتبہ چھو لے اس پر ایک سرخ نشان پڑ جاتا ہے۔ یہ دیکھئے اس پیالہ کے کنارے بھی اسکے ہونٹوں کے لمس سے سرخ ہیں۔ میں نے اس کے دربان کو رشوت دیکر اور کافی روپیہ خرچ کر کے اسے حاصل کیا ہے۔ میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا ہوں اور اب سرکار کے چرنوں میں رکھتا ہوں۔"

راجہ اس پیالہ کے غیر معمولی حسن اور ندرت کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور خوش ہو کر خزانچی سے کہنے لگا۔ کہ سوداگر کو اس قیمت سے جو اس نے دربان کو دی۔ دس گناہ زیادہ قیمت دیکر رخصت کردو"

اتفاق دیکھئے، راجہ اور سوداگر کی گفتگو یوراج نے سن لی اور اچانک اس کے دل میں اس سرخ ہونٹوں والی رکھشی کے پریم کا ساگر لہریں مارنے لگا! وہ اس خیال میں دنیا کی ہر چیز سے بیگانہ ہو گیا۔ اور سپنا دیکھنے لگا۔ سپنے میں وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ دوڑاتا

سمندر کے کنارے جا پہنچا اور وہاں سے ایک جہاز میں سوار ہو کر لنکا کی طرف روانہ ہو گ
سمندر میں دھیرے دھیرے چلنے لگا۔ لنکا پہنچکر وہ جہاز سے اترا، اور بازاروں میں تیز
سے دوڑتا ہوا اکھشوں کی راجکماری کے محل تک جا پہنچا اس وقت سورج غر
ہو رہا تھا اور چندرماں دوسری سمت سے طلوع ہو رہا تھا جس کی نورانی کرنیں
محل کے اگلے حصے کو منور کر رہی تھیں۔ راکھشوں کی راجکماری محل کے شہ نشین
کھڑی تھی۔ اور اس کا چہرہ چاندنی میں چمک رہا تھا۔ اس کے دونوں ہونٹ
شعلوں کی طرح چمک رہے تھے۔ راجکمار ہونٹوں کی تابش کی تاب لا سکا اور بیہ
ہو کر گر پڑا۔ اسی بے ہوشی کی حالت میں اس نے پھر ان ہونٹوں کو دیکھا۔ وہ پھو
لگے۔ اور پھول کر وہ بڑی بڑی پہاڑیاں بن گئے۔ اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔
ٹکڑے آسمان پر تاروں کی طرح بکھر گئے۔ پھر اس کے اوپر اکٹھے ہو گئے اور ا
معلوم ہوا کہ وہ پیار سے اس کے سارے شریر کو بوسہ دے رہے ہیں اتنے میں
پھر راجہ کا محل نظر آیا اور وہ جھٹ اس میں داخل ہو گیا۔ ایک بڑے سے کمرے
اس طرف راجکماری کھڑی تھی۔ وہ دوڑ کر اس کے چرنوں میں گر پڑا۔ وہ راجکما
جھک کر اپنے ہونٹ اس کے رخساروں کے قریب لائی۔ قریب پہنچتے ہی وہ ہونٹ
خوفناک جبڑے بن گئے۔ اور ان میں دانتوں کی دو قطاریں نظر آنے لگیں۔ جو ہاتھی د
کی مانند سفید اور آری کی طرح تیز تھیں۔ اور ان کے درمیان ایک سیاہ گڑھا تھا
لمحہ بہ لمحہ تاریکی میں بڑھتے گئے۔ راجکمار نے ایک چیخ ماری اور جاگ پڑا۔

"اب راجکماری جی! آپ اُتر دیں کہ راجکمار نے چیخ کیوں ماری"!

اِتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا، راجکماری نے مسکرا کر کہا"۔ اس نے کاٹے جانے کے خوف سے چیخ ماری تھی"۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور آنشاؤں بھرے نینوں سے راجہ کی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# پندرھواں دن

# کنول اور مکھی

راجہ نے بھاگیرت سے کہا، مترِ، وہ سوداگر جھوٹا تھا، دنیا میں کسی کے ہونٹ میری محبوبہ کے ہونٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، افسوس! اس کے تبسم کی لطافت نے میری آتما میں تلخی بھر دی ہے جب وہ ہر روز تمہارے سوال کا جواب دیدیتی ہے۔ تو میری آشاؤں کا خون کر دیتی ہے اب صرف سات دن رہ گئے ہیں۔ اسے کھو دینے کا خیال وِش بھرے امرت کا ایک قطرہ ہے جسے ہر روز میں اسکے حسن کے ساغر میں پیتا ہوں۔ اب مجھے اس تصویر سے بھی نفرت ہونے لگی ہے وہ میرا مذاق اڑاتی ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ صبح ہونے سے پہلے میرے جیون کا چراغ بجھ جائے گا۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے غم کی حالت میں گزار دی۔ جب صبح ہوئی وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے راجکماری تانبے کے رنگ کی ساری اور سیمیں چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے تخت پر براجمان تھی۔ راجہ کو دیکھ کر راجکماری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جوان اور سندر شہد کی مکھی

جو گھر ہی پلی تھی۔ اپنی زندگی میں پہلی بار پھولوں کے امرت سے شہد بنانے گھر سے نکلی۔ ایک سرخ کنول کی دلاویز خوشبو نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ جو جنگل میں ایک چشمہ کے کنارے اُگا تھا۔ وہ مستانہ وار اڑ کر اس کی طرف لپکی اور چاہتی تھی کہ اس کا امرت چُوسے، پر تو کنول نے اپنی پتیاں سمیٹ لیں اور اسے اندر نہ گھسنے دیا۔ اور کہنے لگا" اے شہد کی مکھی تو اپنی نسل کی عادت کے مطابق میری پتیوں میں گستاخانہ داخل ہو کر میرا امرت لینے کو آئی ہے اور تجھے امید ہے کہ کچھ دئے بغیر مفت میں کام بن جائے گا۔ لیکن یاد رکھ کہ تو کچھ دے کر ہی میرا امرت لے گی"۔

مکھی نے بھنبھنا کر کہا۔" میں تجھے کیا دوں؟ تو کیا لینا چاہتا ہے؟ کیا تیرے لئے یہ کافی نہیں کہ تو اس چشمہ کے کنارے پھلے پھولے اور ہوا کو معطر بنائے"۔

کنول بولا"۔ ان چیزوں کے علاوہ ابھی مجھے کچھ اور چاہیئے۔ تو شہد کی مکھی ہو کر نہیں جانتی کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ اگر تو میرا امرت چوسنا چاہتی ہے تو جا اور معلوم کر کے آ کہ میں کیا چاہتا ہوں"۔

مکھی غصہ میں بھنبھنائی اور یہ معلوم کرنے کو اڑی کہ کنول کیا چاہتا ہے۔ اس نے ایک کیڑے کو دیکھا جو ایک درخت کی جڑ میں سوراخ کر رہا تھا مکھی نے اس سے پوچھا"۔ اے کیڑے بتا۔ کہ کنول مجھ سے کیا چاہتا ہے"۔

کیڑے نے جواب دیا" مجھے کنول کی کیا پروا ہے جا کسی اور سے پوچھ۔ مجھے فرصت نہیں"۔

مکھی پھر اڑی، اس نے ایک مکڑی کو ایک شاخ پر جالا تننے دیکھا۔ اور اس سے بھی وہی سوال پوچھا۔ مکڑی کہنے لگی۔

"کنول مکھی چاہتا ہے"۔

لیکن مکھی نے خیال کیا کہ کنول کو مکھی کی کیا ضرورت، اس نے اپنے سر کے اوپر بادل کے ایک ٹکڑے کو تیرتے دیکھا۔ وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچی اور پوچھنے لگی "کنول کیا چاہتا ہے؟"

بادل بولا"۔ بارش کے ٹھنڈے قطرے"۔

مکھی لوٹ کر کنول کے پاس گئی اور اس پر پانی کے ٹھنڈے قطرے چھڑکنے لگی۔ مگر کنول بولا"۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں، مجھے یہ قطرے بادل اور چشمہ سے مل سکتے ہیں، جا پھر کوشش کر"۔

بیچاری مکھی پھر اڑی اور ایک کرن کو گھاس کی پتی سے کھیلتے دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی "۔ کنول کیا چاہتا ہے"۔

کرن بولی "۔ گرمی!"

مکھی ایک جگنو لے کر کنول کے پاس پہنچی اور اسے گرمانے کی کوشش کرنے لگی، کنول نے کہا "۔ گرمی مجھے سورج سے مل سکتی ہے۔ جا پھر کوشش کر"۔

مکھی پھر اڑی - اسے ایک درخت پر ایک اُلّو بیٹھا دکھائی دیا - جو اونگھ رہا تھا وہ اس کے کان میں بھنبھنا کر اور اسے جگا کر پوچھنے لگی "میاں اُلّو! مجھے بتا کنول کیا چاہتا ہے۔"

اُلّو نے جواب دیا "نیند!"

مکھی نے کنول سے کہا "پیارے کنول میں میٹھی میٹھی لوریوں سے تمہیں سلانے اور اپنے پروں سے پنکھا کرنے آئی ہوں۔"

مگر کنول نے جواب دیا "رات مجھے تھپکیاں دے کر سلا دیتی ہے - جا پھر کوشش کر۔"

مکھی نا امید ہو کر اڑنے اور چلانے لگی "آخر یہ کنجوس مکھی چوس کنول مجھ سے کیا چاہتا ہے۔"

ایک بوڑھے یوگی نے جو اسی جنگل میں رہتا تھا - اس کی فریاد سن لی - وہ یوگی سب درندوں اور پرندوں کی بولی سمجھتا تھا - اس نے مکھی کو بلا کر اس کے کان میں کہا "بے عقل مکھی، کنول یہ چاہتا ہے" یہ سن کر وہ مکھی خوشی خوشی کنول کے پاس آئی - اور اسے وہ چیز دے دی جو کنول چاہتا تھا - کنول نے اسی وقت اپنی پتیاں کھول دیں اور وہ ان میں داخل ہو کر امرت چوسنے لگی ⁂

" اب راجکماری آپ اُتر دیں کہ مکھی نے کنول کو کیا دیا۔"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری شرما سی گئی اور کہنے لگی "بوسہ!"

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کی طرف دیکھے بغیر چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے +

# سولھواں دن

# سانپ کا من

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر، راجکماری تمہارے سوالوں کا جواب دیتی جاتی ہے اب صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں۔ کاش آج کے سوال کا جواب مجھے کسی اور طرح ملتا خواہ میرا سارا راج جاتا رہتا۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ آہ جواب دیتے وقت اس کی ذرا سی لجاجت نے میرے ہردے کو پاش پاش کر دیا۔ اب میں کہہ سکتا ہوں کہ میری طرف بے پرواہی سے نہیں دیکھتی! افسوس میں جدائی کی گھڑیوں کی جلن سے کیونکر بچوں! اب تو تصویر میں سے بھی اس کی رعنائی جاتی رہی ہے پہلے وہ برف کی طرح میرا کلیجہ ٹھنڈا کرتی تھی۔ مگر اب آگ کی طرح جلاتی ہے۔"

اس نے ساری رات تصویر کو تکتے اور کبھی پرے ہٹاتے تشویش کے عالم میں گزار دی۔ جب سورج نکلا وہ بھی اٹھا، دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں جب شام ہوئی دونوں دربار میں پہنچے، راجکماری موتی سی سفید ساڑی اور عقیق سے مرصع چولی میں ملبوس بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی اپنے تخت پر براجمان تھی۔ اس نے شرمیلے نینوں سے راجہ کی طرف دیکھا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی، کسی شہر کی فصیل کے باہر بڑ کا ایک پوتر اور پرانا درخت تھا جس کی

کھوکھلی جڑوں میں ایک سیاہ سانپ رہتا تھا۔ وہ ہر روز باہر نکلتا اور درخت کے سامنے سورج کی روشنی میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا۔ لوگ آتے اور اس پر دودھ اور مٹھائیوں کے چڑھاوے چڑھاتے۔

اسی شہر میں ایک امیر جوہری تھا جس کی ایک سندر پتری تھی۔ اُسے جواہرات سے بہت پریم تھا۔ اس کے پاس سب قسم کے جواہرات تھے مگر سانپ کا من نہ تھا۔ وہ اسے اتنا چاہتی تھی کہ اسے اپنے سارے جواہرات حقیر معلوم ہوتے تھے۔ اتفاق سے اس نے اس پوتر بڑ اور سانپ کا حال سن لیا۔ اس کے من میں لالچ کی آگ بھڑک اٹھی اس نے دومبہ قوم کے ایک آدمی کو روپے دے کر رات کے وقت سانپ کے مارنے اور اس کا من لانے پر راضی کر لیا جب اس آدمی نے من لا دیا۔ تو اس نے سمجھا کہ اسے اپنے جنم کا پھل مل گیا وہ اسے سارے جواہرات سے افضل جانتی اور اپنے بالوں میں ٹانکتی۔

پرنتو واسوکی نے اپنے ایک سانپ کی موت کی خبر سن لی اور غضبناک ہو کر پھنکارنے لگا اس نے مجرم کو سزا دینے کا تہیہ کر لیا اور منش روپ دھار کر اس شہر میں پہنچا اور لوگوں سے سانپ کا حال پوچھنے لگا۔ آخر اسے معلوم ہو گیا کہ فلاں جوہری کی پتری کے پاس سانپ کا من ہے یہ سن کر سانپوں کے راجہ نے ایک جوہری بچہ کا روپ دھارا۔ اور اس جوہری کے مکان کے سامنے ایک مکان کرایہ پر لیکر رہنے لگا، اس نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ وہ کاروبار کے سلسلہ میں سفر کر رہا ہے۔ وہ بڑی شان سے رہنے لگا اور ہر ملنے والے کو دعوت دینے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی دوستی اس جوہری سے بھی ہو گئی جس کی پتری کے پاس سانپ کا من تھا۔ اس نے اپنی شائستگی دوستی اور دولت سے اس کا دل موہ لیا اور آخر ایک دن اس سے اس کی پتری کا رشتہ

مانگا، وہ جوہری یہ دیکھ کر کہ اس سے بہتر داماد ملنا محال ہے۔ بڑی خوشی سے راضی ہو گیا۔ اس نے اپنی پتری سے ذکر کیا۔ وہ بھی خوش ہوئی کیونکہ وہ اس جوہری بچہ کو اپنی کھڑکی میں سے دیکھ چکی تھی لیکن اس کی دولت کا چرچا سن چکی تھی۔ اس لئے وہ بھی مان گئی ۔

ایک شُبھ دن چنا گیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر سانپوں کا راجہ یعنی وہ جوہری بچہ ہر روز قیمتی جواہرات کی ٹوکریاں اپنی دلہن کو بھیجنے لگا۔ آخر ایک دن دونوں کی شادی ہو گئی۔ اور دولہا دلہن کو سہاگ کمرے میں لے گیا۔ اور اسے آرام سے سیج پر لٹا دیا۔ اور پیار سے اس کا نام لیکر بلایا۔ اس نے دولہا کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے دھیرے ایک متبسم چہرے کے ساتھ اس کے قریب آیا۔ دلہن نے پھر آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اسے دولہا کے منہ سے ایک لمبی دو شاخہ زبان باہر نکلتی اور لرزتی دکھائی دی۔ بالکل ایک سانپ کی زبان کی طرح ۔

صبح سویرے سازندوں نے دلہا دلہن کو جگانے کے لئے اپنے سازوں پر ایک دلربا راگ چھیڑا۔ مگر کافی دن چڑھنے کے بعد بھی دلہا دلہن کمرے سے باہر نہ آئے۔ دلہن کا پتا اور اس کے دوست اتنی انتظار کے بعد ڈرنے لگے۔ وہ دروازہ توڑ کر اندر پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا۔ کہ دلہن اپنی سہاگ کی سیج پر مری پڑی ہے۔ اس کے سینہ پر دو چھوٹے چھوٹے نشان تھے دولہا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی جگہ سیج میں سے ایک سیاہ سانپ نکلا اور دیوار کے ایک سوراخ میں چھپ گیا ۔

"اب اجکماری جی! آپ اُتر دیں کہ سانپ کے من میں ایسی کونسی کشش تھی جس نے جوہری کی پتری کو اتنا بیتاب کر دیا" ۔

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ اجکماری نے جواب دیا۔ "کشش نہ من میں تھی نہ من کی قیمت میں، بلکہ اس بات میں تھی۔ کہ من اس کے پاس نہ تھا کیونکہ یہ استریوں کی فطرت ہے کہ جو چیز ان کے پاس ہوتی ہے اس کی قدر نہیں کرتیں، لیکن جو ان کے پاس نہیں ہوتی، اس کے لئے تڑپتی ہیں"۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کی طرف دیکھ کر آہ بھرتی چلی گئی۔ اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# سترھواں دن

# راجہ کا سپنا

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر اب میرے دل میں رتی بھر شک نہیں کہ میرے بیٹوں پر مہر لگ چکی ہے کیونکہ راجکماری کی عقل اجیت ہے۔ اگر پریم نے مجھے اندھا نہیں کر دیا، تو میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ راجکماری نے آہ بھر کر مجھ پر اپنے شبدوں کی حقیقت اچھی طرح واضح کر دی تھی۔ آہ! اسے کھو دینے کا غم مجھے دیوانہ بنا رہا تھا جس طرح ایک مست ہاتھی ہر بندھن کو توڑ کر اپنے مہاوت کو خطرناک سزا دیکر مار ڈالتا ہے اسی طرح میں تمہارا ناش کر دونگا۔ پرنتو میرا اپنا انجام موت سے بدتر ہوگا کیونکہ میں سسک سسک کر مرونگا۔ آہ، کھانا میرے سامنے ہے اور میں کھا نہیں سکتا! اس تصویر پر لعنت جس نے میرا ناش کیا۔ اور اس مصوّر پہ جس نے تصویر بنائی اب مجھے صاف نظر آنے لگا ہے کہ یہ اس سے بالکل نہیں ملتی وہ مہربان ہے اور قسمت سے مجبور کہ اپنی عقل کے کارن دوسروں کی امیدوں کو خاک میں ملائے۔"

اس نے ساری رات مجبوری سے تصویر کو تکتے بے چینی سے گزار دی جب سورج نکلا وہ بھی اٹھا، دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے۔ راجکماری ایک سادہ گیروی ساری اور کہربا سے مرصع چولی میں ملبوس بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پہ تاج رکھے اپنے سنگھاسن پر براجمان تھی۔ اس نے راجہ کی طرف ایسی آنکھوں سے دیکھا جو بیخوابی کی وجہ سے سرخ تھیں۔ راجہ اس

کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا:۔

" راجکماری جی ایک راجہ تھا جسے راج کاج سے سخت نفرت تھی اور وہ سارا وقت بستر میں لیٹا عیش میں گزار دیتا تھا۔ اُسے برہمنوں اور دھرم کاموں سے چڑھ تھی اور شراب نوشی اور سندر استریوں سے بہت پریم تھا۔ اگر کوئی اسے سمجھانے کی جرأت کرتا۔ وہ اسے اسی وقت راجدھانی سے جلاوطن کر دیتا۔ وقت یونہی گزرتا گیا اور اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی بے اطمینانی اور عیش کی فراوانی نے اس کی آتما کو کچل دیا، اس عذاب سے بچنے کا واحد طریقہ یہی تھا کہ پاپ کی یاد کو عیش کے ساگر میں ڈبو دے۔

ایک دن وہ شکار کو گیا اور کسی شکار کے تعاقب میں راستہ بھول گیا اتنے میں شام ہو گئی وہ سوچنے لگا کہ رات کہاں بسر کی جائے۔ اسی سوچ بچار میں تھا کہ اسے ایک بوڑھے یوگی کی کٹیا نظر آئی۔ وہ اپنے نوکروں کو وہیں چھوڑ کر کٹیا میں گیا اور جڑی بوٹیاں اور پھل کھا کر گھاس پھوس کے بستر پر سو گیا۔

اس نے سپنے میں دیکھا کہ وہ ایک بے پایاں دریا کے کنارے کھڑا ہے جس کا پانی سورج کی روشنی میں جھلمل جھلمل کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیج ہے، وہ زمین میں سوراخ کرتا ہے اور وہ بیج اس میں بو کر اسے دریا کے پانی سے سیراب کرتا ہے اور وہ بیج پھوٹ کر پودا بنتا ہے اور پھر تیزی سے درخت بن جاتا ہے۔ اس میں سے پتّے اور شگوفے نکل آتے ہیں اور آخر ایک پھل نمودار ہوتا ہے جو بڑھتا بڑھتا کدو جتنا ہو جاتا ہے۔ پہلے زمرد کی طرح سبز ہوتا

ہے پھر یاقوت کی مانند سرخ۔ وہ روشنی میں جگمگ جگمگ کرتا ہے۔ اور اپنے بوجھ سے نیچے آجاتا ہے۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے توڑ لیتا ہے اور کھا لیتا ہے۔

یکایک ایک بڑا سا ہاتھ آگے بڑھتا ہے اور اسے پکڑ کر دور لے جاتا ہے اور ایک پتلی سی رسی سے ایک غار میں لٹکا دیتا ہے۔ وہ ڈر کر نیچے دیکھتا ہے، تو اسے غار کی اتھاہ گہرائیاں نظر آتی ہیں، اوپر دیکھتا ہے تو ایک گدھ اپنی چونچ سے رسی کاٹتے نظر آتا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر اس کے شریر میں ایک کپکپی دوڑ جاتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب کے ہر لمحہ میں کئی صدیاں بیت گئی ہیں۔ وہ چونک کر جاگ اٹھتا ہے اور کیا دیکھتا ہے کہ بوڑھا یوگی کٹیا کی چھت میں سے داخل ہونیوالی چاندنی میں کھڑا کچھ پڑھ رہا ہے۔

وہ پھر لیٹ گیا اور سو گیا۔ اس نے پھر سپنا دیکھا کہ وہ بیج بوتا ہے اور اسے دریا کے پانی سے سیراب کرتا ہے، وہ بیج پھوٹ کر پھر ایک درخت بن جاتا ہے اس میں سے شگوفے اور پتے نکل آتے ہیں، اور پھر پھل لگتا ہے، جو پہلے کی طرح سبز اور سرخ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ پھر اسے توڑ کر کھا لیتا ہے۔ اور اسے کھاتے ہی اس کی آتما میں ایک بے پایاں مسرت کا احساس لہریں لینے لگتا ہے۔

یہ سپنا دیکھ کر وہ چین سے میٹھی نیند سو گیا۔ صبح سویرے بوڑھے یوگی نے اسے جگایا۔ سورج کی روشنی کٹیا کے دروازہ میں سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ اٹھا اور اپنے محل کو لوٹا اور اپنی ساری عادتیں بدل ڈالیں۔

"اب راجکماری جی آپ اتر دیں کہ اس نے اپنی عادتیں کیوں بدلیں۔"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری نے کہا وہ ڈر گیا تھا۔ وہ درخت اس کے بُرے کرموں کا درخت تھا، اس کا پھل کھانا۔ اُن کے نتائج کا پختہ ہونا تھا جس کی اسے ایسی سزا ملی، جسکا ایک مدھم سا نظارہ اس نے پہلے سپنے میں دیکھا، پرنتو اگر وہ اپنی زندگی نیکی سے بسر کرے اور بدی سے بچے تو اسے مکتی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میٹھی نیند کی مانند جو دوسرا سپنا دیکھنے کے بعد اسے نصیب ہوئی اور جس نے اس کی شخصیت کو بدل دیا۔"

یہ کہہ کر راجکماری نے راجہ کی طرف اشک آلود نینوں سے دیکھا اور اٹھ کر چلی گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# اٹھارواں دن

# پریم اور موت

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر یہ سچ ہے کہ میں کسی پچھلے جنم کا پھل کھا رہا ہوں
اب صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں تم نے کہا کہ میں ایک اتھاہ غار میں لٹکا ہوں! میں
دیکھ رہا ہوں کہ راجکماری امتحان میں پوری اترے گی۔ وہ تمہارے سوالوں کے تیز بان الٹا
تم پر چھوڑتی ہے، گویا اس نے ایک جوہر نگار چولی کی جگہ فولادی زرہ بکتر پہن رکھی ہو۔ اب
تو تصویر کا امرت بھی وش بن گیا ہے جو دن چڑھنے سے پہلے میرا کام تمام کر دیگا۔
اس نے ساری رات تصویر کو تکتے مایوسی کی حالت میں گزار دی۔ جب سورج نکلا
وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں، جب
شام ہوئی، دونوں پھر دربار میں پہنچے۔ راجکماری سرخ ساری اور مونگوں کی چولی میں ملبوس
بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی سر پہ تاج رکھے اپنے سنگھاسن پر براجمان تھی۔
اس نے جھک کر راجہ کی طرف دیکھا۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ
گیا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔
" راجکماری جی کوئی پریمی اپنی محبوبہ کی موت کا ماتم کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے موت
تم بلونت ہو لیکن اے پریم تم اس سے بھی بلونت ہو۔"
اتفاق سے یم نے اس کی بات سن لی اور اس نے پھولوں کی کمان والے

کامدیو سے کہا

"سنا تم نے، دیکھو وہ بیوقوف کیسی بچوں کی سی واہیات باتیں کرتا ہے۔"

کامدیو نے کہا "واہیات نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے کہ میں زیادہ بلونت ہوں۔"

دونوں میں بحث چھڑ گئی، تھوڑی دیر بعد کامدیو بولا "باتوں سے کیا فائدہ؟ آؤ اس بات کو آزما کر دیکھیں، اور اپنے بل کا امتحان لیں۔

یم کہنے لگا "چلو ایسا کر کے دیکھ لو۔"

انہوں نے اس تجربہ کے لئے تین چیزیں چنیں، ایک بہادر منش، بڑ کا درخت اور روگی کا من۔

یم پہلے بڑ کے درخت کے پاس گیا اور اپنے بل سے اس کی جڑوں کو مردہ کر دیا لیکن جونہی وہ مردہ ہوئیں کامدیو نے ان پر ہاتھ پھیرا اور جڑوں میں سے نئی کونپلیں پھوٹ پڑیں اور بڑھنے لگیں۔ اسی طرح ان میں سے نئی شاخیں نکلتی اور بڑھتی رہیں۔ کامدیو نے کہا "دیکھو میں جیت گیا۔"

لیکن یم بولا صبر کرو اور دیکھو۔"

پھر وہ ایک بہادر منش کے پاس پہنچا اور عین اس گھڑی جب وہ جنگ میں سینہ سپر ہو کر لڑ رہا تھا اس کے دل پر ضرب لگا کر اسے مار ڈالا۔ لیکن سمار نے اس دیس کے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔ وہ اس بہادر کا ماتم کرنے لگے اور انہوں نے اس کی یاد میں ایک عالیشان یادگار قائم کر دی۔ شاعروں نے اس کی بہادری کے گیت گائے اور ماؤں نے اپنے بچوں کے نام اس کے نام پر رکھے اور دیوتا کی طرح مندروں میں اس

کی مورتی کی پوجا ہونے لگی۔ کامدیو نے کہا۔ "دیکھو میں پھر جیت گیا۔ اب بھی مان جاؤ کہ میں تم سے زیادہ بلونت ہوں۔"

لیکن یم بولا۔ "صبر کرو اور دیکھو۔"

پھر وہ یوگی کے پاس گیا اور اس کے دل پر ضرب لگائی، لیکن جونہی اس نے ایسا کیا۔ تمنا پھر اس کے من میں لہرانے لگی اور اس کے ہوش وحواس پھر تازہ ہو گئے اور اسی طرح یوگی کے دل میں یہ جنگ جاری رہی۔ کبھی وہ دنیا کے لئے مرجاتا کبھی پھر زندہ ہوجاتا۔ کامدیو نے کہا۔ "دیکھو میں تم سے زیادہ بلونت ہوں جیت میری ہے۔ اب بھی ہار مان جاؤ۔"

پرنتو یم کہنے لگا۔ "میں زیادہ بلونت ہوں، وہ پر بھی بکواسی تھا۔"

کامدیو ہنس پڑا، اور اس کا مذاق اڑانے لگا۔

"اب راجکماری جی آپ اتر دیں کہ کون زیادہ بلونت ہے۔"

اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہوگیا۔ راجکماری کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ مدھم آواز میں کہنے لگی۔

"کامدیو چالاک ہے اور مکار جواری کی طرح پانسوں میں سیسہ بھر کر پھینکتا ہے۔ بعض وقت وہ زیادہ بلونت معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے یم کو للکارا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تمام مواقعات وقت اور مقام کی قید سے محدود ہوتے ہیں۔ پرنتو یم اس سے زیادہ بلونت ہے کیونکہ وہ غیر محدود ہے۔ وہ خود

وقت ہے آغاز اور انجام کے بغیر اور ایک ایسی طاقت ہے جو ہر بندھن سے آزاد ہے، اور جس طرح گنگا ماتا کا تیز بہاؤ ایک پیالہ میں نہیں سما سکتا اسی طرح کسی خاص موقع سے اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کی طرف غم آلود نگاہ سے دیکھتی ہوئی چلی گئی، اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرتھ چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# انیسواں دن

# نرمل آتما

راجہ نے بھاگیرت سے کہا "متر اب مجھے چاہیئے کہ اپنی مسرت کو خیرباد کہہ ڈالوں کیونکہ اب میرے انجام کا آغاز ہے۔ صرف تین دن رہ گئے ہیں یہ بھی ان دنوں کی طرح بیت جائیں گے اور ساتھ ہی ہیں بھی اب میری زندگی کا سورج ہمیشہ کے لئے ڈوب جائیگا۔ میں نے اپنا لیکھ اس غم میں دیکھ لیا تھا جس سے میری محبوبہ کے نین لبریز تھے۔ جب اس نے میری طرف خوفزدہ ہرنی کی طرح دیکھا کاش وہ اتنی عاقل اور حسین نہ ہوتی! ان دونوں خوبیوں کے ملنے سے میری بربادی پنہاں ہے۔ اس تصویر پر لعنت جو مجھے برہا کی آگ میں جلاتی ہے"!

اس نے ساری رات تصویر سے بے پروا ہو کر اضطراب کی حالت میں گزاردی۔ جب سورج نکلا، وہ بھی اٹھا۔ دن کی گھڑیاں باغ میں ٹہلتے اور بھاگیرت سے باتیں کرتے کٹ گئیں، جب شام ہوئی دونوں پھر دربار میں پہنچے راجکماری سنہری ساری اور فیروزوں سے مرصع چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے اپنے سنگھاسن پر براجمان تھی۔ اس نے راجہ کی طرف ایسے نینوں سے دیکھا، جن میں مسرت اور غم ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے یدھ کر رہے تھے۔ راجہ اس کے حسن سے مسحور ہو کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا

اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگیرت نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راجکماری جی ایک برہمن تھا جس کا نام کرتا کرت تھا۔ اس نے ویدوں کا مطالعہ چھوڑ دیا اور اپنے تمام فرائض سے بے پروا ہو کر برے راستے پر چلنے لگا۔ وہ نگری کے جواریوں، چوروں اور کسبیوں سے میل جول رکھتا اور رات کو مرگھٹ میں جا کر بھوتوں، چڑیلوں اور مردہ لاشوں سے مانوس ہونے کی کوشش کرتا اور اپوتر جنتر منتر کی ریاضت کرتا۔ ایک رات کسی چتا کے شعلوں اور ان کی لپیٹ میں جلتی ہوئی لاش کے دھوئیں سے ایک چڑیل نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔

"میں بھوکی ہوں مجھے کہیں سے تازہ گوشت لادے۔ نہیں تو میں تیری بوٹیاں نوچ لوں گی۔"

کرتا کرت نے کہا "میں لادیتا ہوں، پرنتو مفت نہیں، تم اس کے بدلہ مجھے کیا دو گی؟"

چڑیل بولی۔ "مجھے ایک تازہ مرا ہوا برہمن لادے، میں تجھے مردہ زندہ کرنے کا منتر بتاؤں گی۔"

کرتا کرت اس معاوضہ پر راضی نہ ہوا اور دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ آخر اس نادان اور بے پروا برہمن نے کہا "اس منتر کے علاوہ مجھے پانسوں کی ایک ایسی جوڑی دو جن سے میں جوئے میں ہمیشہ جیتوں، میں تمہیں برہمن کی لاش لائے دیتا ہوں۔"

چڑیل بولی ”منظور ہے۔“

یہ سن کر کرتا کرت چلا گیا۔ رات کا وقت تھا اسے کوئی برہمن نہ ملا اس لئے اس نے چپکے سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور آدھی رات کو مرگھٹ میں لے گیا۔ چڑیل نے بھی اپنا وچن پورا کیا اور اسے مردہ زندہ کرنے کا منتر بتا دیا اور پانسوں کی جوڑی دے دی۔

تھوڑے دنوں بعد کرتا کرت کے دل میں چڑیل کے بتائے ہوئے منتر کو آزمانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے ایک مردہ چنڈال کی لاش لی اور آدھی رات کے وقت اسے مرگھٹ میں لیجا کر لٹا دیا اور اس پر منتر پڑھنے لگا ابھی اس نے آدھا منتر پڑھا تھا کہ اس کی نظر لاش پر پڑی، جس کے بائیں بازو ٹانگ اور آنکھ میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی تھی، لیکن باقی شریر ابھی مردہ تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اتنا ڈرا کہ منتر بھول گیا، اور مرگھٹ سے بھاگ نکلا۔ وہ لاش بھی اچھل کر اٹھ بیٹھی ایک چڑیل اس کے مردہ شریر میں گھس گئی اور وہ لاش ایک ٹانگ پر کودتی آنکھ مٹکاتی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگنے اور چلانے لگی ”نہ مارا نہ جلایا میری ناش کر دی کا یا۔“

کرتا کرت بھاگتا ہوا گھر پہنچا، وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا جھٹ بستر میں لیٹ گیا۔ لیکن یکایک شور سنکر اٹھ بیٹھا، اس نے دیکھا کہ اس کے کمرہ کا دروازہ کھلا ہے اور اس چنڈال کی لاش ایک ٹانگ پر کودتی، بائیں آنکھ مٹکاتی، اور آدھا شریر گھسیٹتی اس کی طرف چلی آ رہی ہے اور چلا رہی ہے ”مارا نہ جلایا میری

ناش کر دی کا یا"

کرناکرت بستر میں سے کود پڑا اور دوسرے دروازے میں سے نکل کر بھاگ گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر جتنی جلدی ممکن ہوسکا دور کسی شہر میں چلا گیا۔

وہاں پہنچکر اس نے اپنے تئیں محفوظ پایا۔ اس لئے وہ رات دن جواریوں کے ساتھ جوا کھیلنے لگا۔ چند دنوں میں اسکے پاس کافی دولت جمع ہوگئی اور وہ چین سے زندگی کے دن گزارنے لگا، خود بھی عیش کرتا اور دوسروں کو بھی کراتا۔ پرنتو ایک رات جبکہ وہ جواریوں میں بیٹھا ہوا جوا کھیل رہا تھا اس نے اپنے پیچھے کسی کے کودنے کی آواز سنی، اس نے مڑ کر دیکھا اسی مردہ چنڈال کی لاش ایک ٹانگ پر کودتی غصہ سے بائیں آنکھ مٹکاتی اور آدھے گلے سڑے جسم کو گھسیٹتی تیزی سے اس کی طرف آرہی ہے اور کڑک کر کہتی تھی "غدارانہ جلایا میری ناش کر دی کایا۔"

اس نے چیخ ماری اور دوڑ کر ایک دروازہ سے باہر نکل گیا اور جتنی جلدی ہوسکا اس شہر سے بھی بھاگ گیا، وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا اور بھاگتا جاتا تھا، اسی طرح وہ کہیں رکے بغیر کئی دن اور رات چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دور دراز شہر میں جا پہنچا اور بھیس بدل کر چھپ رہا۔ کچھ دنوں بعد اسکی طبیعت پھر لہرائی وہ جوا کھیل کر دولت کمانے اور عیش کرنے لگا۔ ایک رات وہ کسی بیسوا کو آغوش میں لئے پریم کی باتیں کر رہا تھا کہ اس نے کودنے کی آواز سنی۔ اس نے مڑ کر دیکھا، اسی چنڈال کی لاش ایک ٹانگ پر کودتی تیزی سے اس کی طرف آرہی تھی۔ اس کے آدھے جسم کا گوشت

گل سڑ کر لٹک رہا تھا، اور اس کی بائیں آنکھ سے غضب کے شعلے نکل رہے تھے
اور وہ راون کی طرح گرجگر چلا رہی تھی:" نہ مارا نہ جلایا میری ناش کر دی کا بابا!"
ببسوا اسی وقت خوف سے مر گئی، کرنا کرت اٹھ کر ایک اور دروازہ سے
نکل بھاگا، یہ دروازہ ایک شہ نشین کو جاتا تھا۔ چنڈال کی لاش بھی بجلی کی سی
تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی، کرنا کرت کو بچنے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ اس نے شہ نشین
سے چھلانگ لگا دی اور زمین پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مر گیا۔
"اب راجکماری جی آپ اتر دیں کہ چنڈال کے ان شبدوں کا کیا مطلب ہے؟"
اتنا کہہ کر بھاگیرت خاموش ہو گیا۔ راجکماری بولی:" مطلب بالکل صاف ہے
ان نربل آتماؤں پر لعنت، جن میں اپنے ارادہ کو پورا کرنے کی ہمت نہیں۔ ان میں یا تو بہت
کم ہمت ہوتی ہے یا بہت زیادہ اور وہ خود اپنی تباہی مول لیتی ہیں، جو لوگ نیک
ہوں وہ پاپ سے بچے رہتے ہیں۔ پرنتو جو بد ہوں انھیں اپنے کرموں کے پھل کا
مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ نیک لوگ آسمانی برکات حاصل کرتے ہیں اور بدوں کو
اس دنیا کی اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں لیکن نربل آتمائیں جن میں نیک یا بد بننے کا بل
نہیں ہوتا اپنی اس کمزوری کے کارن اپنی سزا اپنے جرم کے احساس کی شکل میں پاتے
ہیں اور دنیا اور عقبیٰ دونوں کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔"
یہ کہہ کر راجکماری اٹھی اور راجہ کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی
گئی اور اپنے ساتھ راجہ کا دل بھی لیتی گئی۔ راجہ اور بھاگیرت چپ چاپ واپس لوٹ آئے۔

# بیسواں دن

# انجام

راجہ نے بھاگیرت سے کہا" متر، اس بے نظیر استری کے حسن نے مجھے ایک زہریلے ناگ کی طرح ڈسا ہے۔ وش اپنا کام کر رہا ہے۔ اور اب صرف دو دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے آخری سوال کا جواب میری موت ہوگا۔ اور یہ بھی یقینی ہے۔ کہ وہ جواب ضرور دے گی کیونکہ اس کی عقل ایک تیز تلوار کی مانند ہے۔ جو تمہاری گتھی کی گرہ کاٹتے وقت میرے ہردے میں چبھ جائیگی۔"

اس نے وہ رات کروٹیں بدلتے ناامیدی کی حالت میں گزار دی۔ جب سورج نکلا، وہ اٹھ کر باہر آیا۔ اور شام کی یاد سے خوفزدہ لیکن اپنی محبوبہ سے ملنے کے لئے بیتاب ہو کر باغ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ متضاد خیالات نے اس کی آتما کے ٹکڑے کر دئے۔ اس نے ونائک کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ "اے لال لال سونڈ والے تم نے مجھے دھوکا دیا۔ تم نے کامیابی کے لئے میرا راستہ صاف کرنے کی بجائے اس استری کی بال کی کھال اتارنے والی ذہانت کے روپ میں، ایک اجیت رکاوٹ سے بند کر دیا ہے لیکن یہ وقت نراس ہونے کا نہیں۔ مجھے کرتا کرت کی طرح اپنا کام ادھورا نہ چھوڑنے

دو۔ بلکہ مجھے ایسی توفیق دو کہ میں کوئی ایسی پہیلی دریافت کروں، جس کا اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑے۔ پرنتو جہاں بھاگیرت ناکام رہا ہو، وہاں میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں۔ راجکماری جواب دینے میں اتنی ناک نہیں جتنا وہ کہانیاں بنانے میں ہوشیار ہے، وہ منش روپ میں کہانیوں کا ساگر ہے۔ آہ، دیوتاؤں کے بغیر کوئی فانی انسان اس سندر ناری کو الجھن میں نہیں ڈال سکتا۔"

پھر اس نے سرسوتی کی پرارتھنا کر کے کہا۔ "اے کلام کی دیوی، صرف تیری دیا کی گود میں ہی مجھے شرن مل سکتی ہے۔ آ میری سکھی بن اور میری محبوبہ کے دماغ کو عارضی گھبراہٹ میں ڈال دے۔ یا مجھے کوئی ایسا سوال بتا دے، جس کا جواب وہ بالکل نہ دے سکے۔"

اسی گھڑی سرسوتی کی کرپا سے اس کے من میں ایک خیال پیدا ہوا اور وہ مسرت سے چلانے لگا۔ "آہا! آہاہا!! دیوی کی کرپا ہو گئی۔ سرسوتی کی جے اب راجکماری میری ہے!"

وہ دوڑ کر بھاگیرت کے پاس پہنچا۔ وہ شام کے لئے ایک کہانی بنانے میں غرق تھا۔ راجہ کہنے لگا۔ "متر، اپنی سوچ بچار چھوڑ دو۔ کام بن گیا ہے۔ آج شام کو میں خود راجکماری کو کہانی سناؤں گا۔"

بھاگیرت نے کہا۔ "مہاراج میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، پرنتو

اس قسم کے اہم معاملہ میں خطرہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ اپنا سوال پہلے مجھے سنائیں۔ تاکہ میں اندازہ کر سکوں۔ کہ وہ کتنا مشکل ہے"۔

راجہ چندر کانت خوشی سے ہنس کر کہنے لگا "تمہارا شک کرنا ہی بہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس سوال کا جواب مشکل ہو گا۔ سنو! خود میرا معاملہ ہی سوال ہو گا میں راجکماری سے پوچھوں گا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اس نے جواب دے دیا، تو پھر کل میں وہی کروں گا۔ جو وہ آج بتائے گی۔ اور اگر وہ کچھ نہ بتا سکی۔ تو اقرار کی شرائط کے مطابق وہ میری ہو جائے گی۔ اس لئے خواہ کچھ ہو پنچھی میرے پنجرے میں ضرور آئے گا"۔

بھاگیرت نے مسکرا کر کہا "مہاراج کی جے یقیناً پریم کی طاقت بڑی حیرت انگیز ہے۔ پتھر کی طرح یہ عقل کی تلوار کو تیز بھی کر سکتی ہے اور کند بھی آج تک پریم نے آپ کو دنیا کی ہر چیز سے اندھا کر دیا تھا۔ پرنتو اب آپ کی نگاہ اتنی تیز ہو گئی ہے کہ ہر اس چیز کو دیکھ سکتی ہے، جو ہمیں آج تک نہیں سوجھی، گو وہ ہمارے سامنے رکھی تھی۔ پرنتو اگر ظاہری حالات مجھے دھوکا نہیں دیتے۔ تو میرا خیال ہے کہ خود کام دیو راجکماری کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے گا۔ اور وہ اپنے تئیں خوشی خوشی پنجرے میں ڈال دے گی۔ کیونکہ سوائے ان کے جن کی مرضی خود اپنی ہو۔ اور کوئی شخص آسانی سے گرفتار نہیں ہو سکتا

گو راجکماری میرے سوالوں کا جواب چین بجبیں ہو کر دیتی تھی۔ مگر آپ کے سوال کا جواب وہ پھول کی سی لطافت سے دے گی"۔

راجہ بیتاب ہو گیا۔ سارا دن بے صبری سے کٹ گیا۔ آخر شام ہوئی بھاگیرت کہنے لگا" مہاراج آج آپ اکیلے جائیں۔ کیونکہ آج میری غیر موجودگی، میری موجودگی سے زیادہ کام کرے گی۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جب ایک مِتر اپنی موجودگی سے بڑھ کر اپنی غیر موجودگی سے سیوا کرتا ہے۔ لیجئے میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں"۔

لیکن راجہ کہنے لگا" مِتر اب کہانیوں کا وقت نہیں، خواہ تم ہی کیوں نہ سناؤ۔ گو میں آج شام تمہارے بغیر تنہا جاؤں گا۔ پرنتو یہ جان لو۔ کہ اگر میں سرسوتی کی دیا اور گنیش جی کی کرپا سے کامیاب ہو گیا۔ تو میں اس کامیابی کو تمہاری کامیابی سمجھوں گا۔ کیونکہ یہ تم ہی تھے۔ جس نے نہ صرف جدائی کی گھڑیوں میں میری ڈھارس بندھائی۔ بلکہ تمہاری کہانیوں کی سیڑھی کی بدولت میں دھیرے دھیرے اپنی محبوبہ کے پریم دوارے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ کیا اس کے محل کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے سیڑھی کا نچلا ڈنڈا سب سے اوپر والے ڈنڈے کی مدد نہیں کرتا؟"

بھاگیرت ہنس کر کہنے لگا" مہاراج بہتر ہے کہ اب آپ جائیں، گو میری کہانی آپ نے نہیں سنی۔ پرنتو! ایک طرح سے میں نے اپنا مقصد پا لیا ہے

جو میں نے کہانی سنانے میں سوچا تھا۔ کیونکہ راجکماری آپ کی منتظر ہونگی۔ انتظار
خواہش کو بھڑکاتی ہے۔ پرماتما کرے آپ جیت جائیں۔"
راجہ اسے تنہا چھوڑکر جلدی جلدی دربار میں پہنچا۔ جب وہ دربار کے
قریب پہنچا تو اس کا بازو کانپنے لگا۔ وہ اس شگون سے بہت خوش ہوا اور
اندر چلا گیا۔ ناگ رانی نیلی ساری اور قوس قزح کے رنگ کی زرد پتھر سے مرصع
چولی میں ملبوس، بیش قیمت جواہرات میں جھلمل جھلمل کرتی، سر پر تاج رکھے۔
اپنے تخت پر براجمان تھی۔ راجہ کو دیکھ کر وہ نیچے اتری اور دروازہ کی طرف بڑھی
وہ بڑی بے تابی سے راجہ کی راہ دیکھ رہی تھی۔ پرنتو! جونہی اس نے راجہ کو
دیکھا شرماسی گئی۔ اور گھبرا کر پھر تخت پر بیٹھ گئی۔ راجہ چندر کانت اس کے قریب
گیا اور دو زانو ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔" راجکماری جی! ایک دفعہ کا ذکر
ہے۔ کہ ایک راجہ تھا۔ جو آپ جیسی ایک سندر راجکماری پر عاشق ہو گیا۔
راجکماری نے شادی کے لئے یہ شرط پیش کی، کہ اگر وہ اس کے کسی سوال
کا جواب نہ دے سکی، تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کی ہو جائے گی۔ اے دانائی کی
سندر مورتی مجھے بتا۔ کہ وہ راجہ اس راجکماری سے کیا سوال کرے؟"
معاً راجکماری بجلی کی تیزی سے اٹھی۔ اور خوشی سے دیوانہ وار چلائی
"چالاک! آخر تم نے بوجھ لیا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی دونوں باہیں اس کے
گلے میں ڈال دیں۔ اور اسے اپنا پتی چن لیا، وہ کہنے لگی۔" دیکھو ان جواہرات

میں تمہاری سندر مورتی کا عکس ہزاروں مرتبہ نظر آیا ہے۔ پرنتو آج میرے نینوں میں نین ڈال کر دیکھو گے تو تم ان میں سے ہوتے ہوئے میرے ہردے میں دکھائی دو گے؟

راجہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا عکس دیکھا جس طرح کسی جھیل میں سورج کا عکس، اور وہ اس کے کان میں کہنے لگا "تم نے مجھے موہ کر جیت لیا ہے۔ اب میری ہو جاؤ۔"

راجکماری نے مدہم آواز میں کہا "کیا تم میرے حسن کا امرت مفت پی گئے؟ تمہیں پتہ ہے۔ شہد کی مکھی نے کنول کو کیا دیا تھا۔"

راجہ پریم کے نشہ میں جھومنے لگا۔ اس نے آہستہ سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ اوپر کیا اور اس کے سرخ سرخ کومل ہونٹوں پر بوسہ دیا۔ اس گھڑی وہ دنیا کی ہر چیز سے بے خبر ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی رگ رگ میں زندگی لہریں لے رہی ہے۔ وہ پریم سے بیخود ہو گیا اور لڑکھڑانے لگا۔

ناگ رانی نے کہا "کیا تمہیں ڈر تھا کہ تم مجھے حاصل نہ کر سکو گے؟"

چندر کانت بولا "پیاری میں تو مرتے مرتے بچا ہوں۔"

ناگ رانی ہنس کر کہنے لگی "ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر میں آج بھی تمہارے سوال کا جواب دے دیتی تو کل ضرور خاموش رہتی۔ خواہ تم مجھ سے میرے نام کے سوا اور کچھ نہ پوچھتے۔ پرنتو میں کل تک انتظار نہ کر سکتی تھی۔ جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔"

راجہ نے کہا۔ "شریر تم نے پہلے ہی دن جواب دینے سے انکار کیوں نہ کیا؟"
ناگ رانی نے مسکرا کر کہا۔ "میں خود تڑپتی تھی بیچین تھی، پرنتو میں نہیں جانتی کہ میں نے انکار کیوں نہ کیا۔ پیارے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ استریوں کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے پریمیوں کو تڑپتا دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور جو چیز انہیں زیادہ پیاری لگے۔ اسی سے انکار کرتی ہیں۔"

راجہ چندر کانت مسرت کے نشہ سے مدہوش سا ہو کر کہنے لگا۔ "آؤ اب یہاں سے چلیں۔ مجھے اس دربار سے نفرت ہے۔ کیونکہ میں نے یہاں بڑا دکھ اٹھایا ہے۔ آؤ اب اپنی راجدھانی کو چلیں۔"

ناگ رانی بولی۔ "جیسے تمہاری مرضی!"

راجہ نے بھاگیرت کو راجکماری کا سامان دے کر پہلے روانہ کر دیا۔ اور خود رات کیوقت اپنی دلہن کو لیکر چل پڑا۔ دونو گھوڑوں پر سوار ہو کر پہلو بہ پہلو جنگل میں چلنے لگے۔ وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا اور وہ سیاہ پر وہ منش روپ میں دن اور رات کی مورتیاں معلوم ہوتے تھے۔ جب آدھی رات گزر گئی تو جنگل میں آرام کرنے ٹھہر گئے۔ چندر کانت نے ناگ رانی کو گھوڑے سے اتارا۔ اور ایک خوبصورت کنج میں لٹا دیا۔ اتنے میں چندرماں نکل آیا۔ اور پتوں میں سے اس کی چاندنی اسطرح جھلملانے لگی جسطرح کسی محل کے شہ نشین کی جالیوں میں سے جھلملاتی ہے۔ اس نے پتوں اور پھولوں کی ایک سیج بنائی اور گندھرو رسم کیمطابق ناگ رانی کو اپنی بیوی

بنا دیا۔ وہ اس کی سیاہ زلفوں سے کھیلنے لگا۔ راجکماری کی آنکھیں چمکنے لگیں، جیسے چاندنی میں حجر القمر چمکتا ہے۔ اس نے اس کے بالوں میں اشوک کے سندر پھول سجائے۔ سینہ پر نیلے کنول، کمر میں سفید کنولوں کی پیٹی اور پاؤں میں یاسمین کی کلیوں کے پازیب باندھ دیئے۔ اور محبت سے بیتاب ہو کر کہنے لگا۔

"ہاں تو لوگ تمہیں اننگ راگ کہتے ہیں پیاری! پرنتو ایک نام میں تمہارے ہزاروں تجلیوں والے حسن کی بوقلمونی بیان نہیں ہو سکتی۔ تم مرگ لوچنا ہو۔ کیونکہ تمہارے نین ہرنی کے نینوں کی طرح مست، چمکدار اور خوفزدہ ہیں! تم نیل نلنی ہو کیونکہ تمہاری زلفیں نیلگوں جھیل ہیں۔ اور تمہارے نین اس جھیل کے کنول! تم مدن لیلا ہو۔ کیونکہ تمہارے نین پریم کی لرزاں روشنی سے رقص کرتے ہیں۔ تم ششی لیکھا ہو۔ کیونکہ تم چندر لیکھا کی طرح سندر اور کومل ہو۔ تم بجلتا ہو کیونکہ تمہارے بازو خمدار ہیں اور بیل کی طرح چمٹ جاتے ہیں۔ تم کسم لشٹی ہو۔ کیونکہ تمہارا شریر پھول کے ڈنٹھل کی طرح سیدھا اور کومل ہے۔ تم کمبو کنٹھی ہو۔ کیونکہ تمہاری گردن سیپ کی طرح سندر ہے۔ تم رجنی چھایا ہو۔ کیونکہ تمہارا حسن رات کی پرچھائیں کی مانند ہے تم لاونیہ مورتی ہو۔ کیونکہ تم سندرتا کی تکمیل کی مورتی ہو۔ تم منوہرنی ہو۔ کیونکہ تم میری آتما کو اپنی دلربائی سے کھینچ لیتی ہو۔ تم مدلہری ہو کیونکہ تم مدساگر کی ایک لہر ہو۔ تم الی پریہ ہو کیونکہ شہد کی مکھیاں تمہارے پھول جیسے ہونٹوں کو غلطی سے پھول سمجھ کر ان کی پنکھڑیوں سے شہد چوسنے کے لئے بیتاب ہیں۔ تم وجر سوچی

ہو۔کیونکہ تمہاری عقل ہیرے کی کنی کی طرح تیز ہے۔ تم ہیم کھنبھنی ہو۔ کیونکہ تمہاری چھاتیاں سونے کے وہ چھوٹے چھوٹے گیندوں کی طرح ہیں۔ تم پلے ناگنی ہو کیونکہ تمہارے کولے دریا کے کناروں کی طرح خمدار ہیں، تم نانا روپنی ہو۔ کیونکہ تمہارا حسن طرح طرح کا روپ دھارتا ہے۔ تم بھڑکتی چپلا ہو۔ کیونکہ تمہارے ابروؤں کی جنبش بجلی کی طرح کوندتی ہے! پرنتو ان سب ناموں میں بھی تمہاری پونر اور بے بس کر دینے والی دلربائی کی تصویر کھینچنے کی طاقت نہیں جسے دیکھتے ہی میں دیوانہ ہو جاتا ہوں۔"

ناگ رانی نے مسکرا کر کہا" راجن تم نے سارے نام لے لئے، مگر وہ نام تو لیا ہی نہیں، جو خاص کر میرا ہے۔"

چندر کانت نے پوچھا" وہ کیا نام ہے؟"

ناگ رانی بولی" تم میرے دیوتا ہو۔ میری ہستی کا ذرہ ذرہ تمہارا ہے۔ اسلئے مجھے نیلی راگا کہو۔ کیونکہ میں ہمیشہ تمہاری سیوا کروں گی۔ جو نیل کے رنگ کی طرح کبھی فنا نہ ہوگی۔ اور اے میری آتما کے چاند تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس کے بغیر استریوں کا سارا حسن، ساری دلربائی، دلکش بھرے امرت کے سوا کچھ نہیں۔"

راجہ کا دل مسرت سے اچھلنے لگا۔ اور اس نے کہا" آہا ہا مجھے میرے جنم کا پھل مل گیا۔ اس کے سوا دنیا کی ہر چیز کچھ نہیں۔ مستقبل میں میرے لئے کیا رکھا ہے وصل یا ہجر، لیکن ہجر میرے لئے سو مرتبہ مرنے سے بدتر ہوگا۔"

پھر اس نے مہیشور سے پرارتھنا کی "اے مہیشور، یہ آکاش ہمیشہ رہے - اور میرے جیون کی زنجیر اسی جگہ ٹوٹ جائے! یا وقت میرے لئے بالکل تباہ ہو جائے - اور میں اسکے اثر سے آزاد ہو کر اپنی محبوبہ کیساتھ اسی وصل کی حالت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہوں"۔

چندر مکٹ مہیشور نے اس کی فریاد سن لی - اور اس کی آشا پوری کر دی اس نے ان پریمیوں پر جبکہ وہ چاندنی میں پھولوں کی سیج پر ایک دوسرے کی آغوش میں سو رہے تھے - اپنی تیسری آنکھ کا ایک پرتو ڈالا - اور انہیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا - اور کہنے لگا "ابھی ان کے جیون کی زنجیر توڑی نہیں جا سکتی - کیونکہ انہوں نے ابھی پرائسچت سے مکتی حاصل نہیں کی - لیکن وہ پھر ملیں گے اور اپنے دوسرے جنم میں پتی اور پتنی بن کے رہیں گے"؟

---
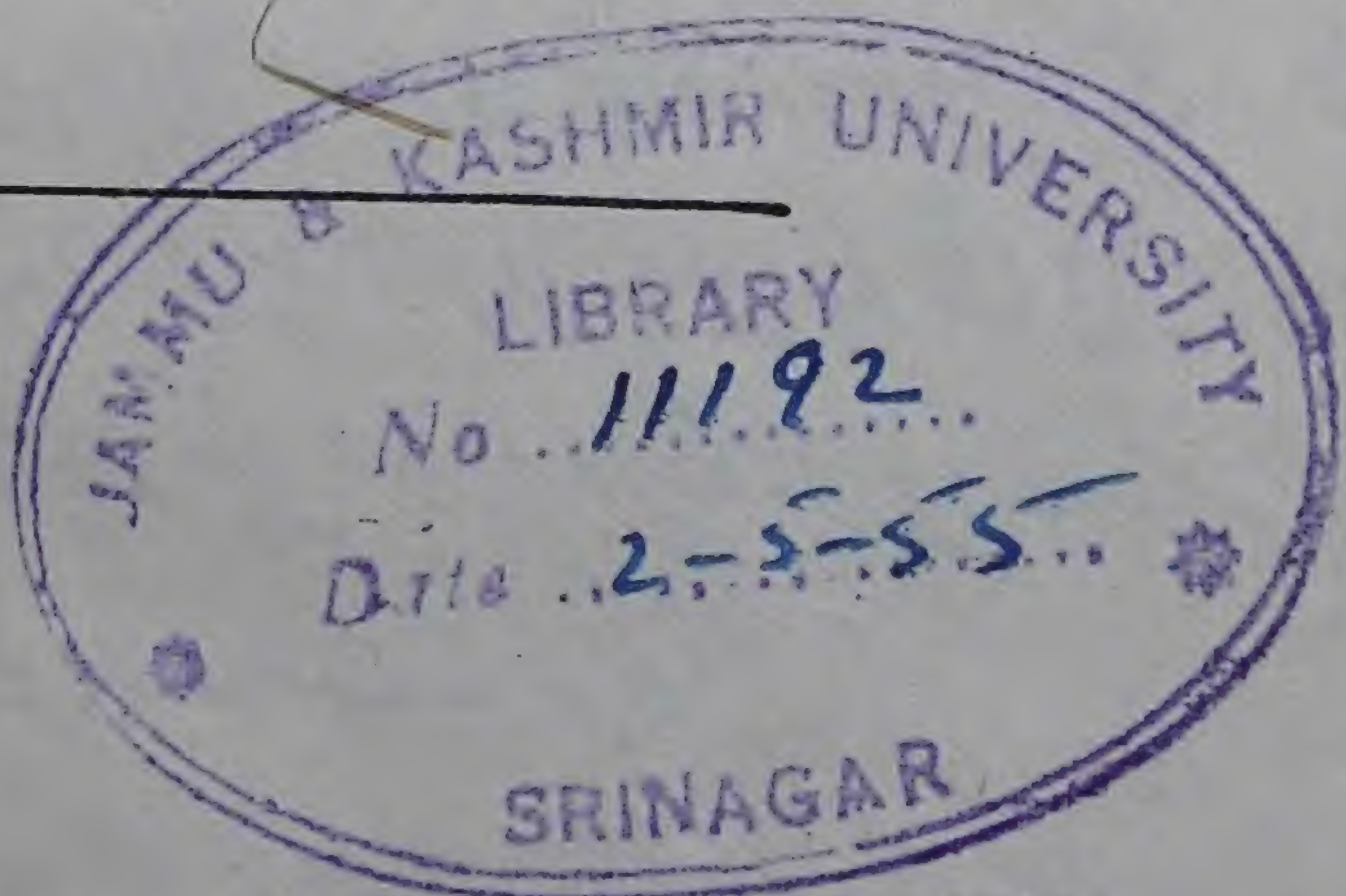


زاہد ہاشمی پبلشر نے فیروز پرنٹنگ ورکس ۲۶۵ سرکلر روڈ لاہور میں باہتمام عبدالحمید خاں منیجر و پرنٹر کے چھپوا کر ہاشمی بک ڈپو بازار سربانوالہ لاہور سے شائع کیا۔ ۱۹۴۴ء

# طلسمات

## پروفیسر عابد علی ایم اے۔ ایل۔ ایل بی

### کے افسانوں کا مجموعہ

۱۵

جوانی کی تلخیوں اور رنگینیوں کے پندرہ مرقعے منازل حیات کی کامیاب تفسیریں۔ یہ پندرہ افسانے آگ کے شعلے ہیں اور اٹل آرزوئیں۔ جن کو عابد کے سحر کار قلم نے لفظوں کے چوکھٹے میں جڑا ہے۔ اس میں کچھ افسانے وہ ہیں کہ جوانوں کی مستی انگیز عشق کی نمایاں تصویریں ہیں۔ کچھ افسانے وہ ہیں جو ہماری طرز معاشرت کے بعض مکروہ اور گھناونے پہلوؤں کو بے نقاب کرتے ہیں ان میں قصے ہیں ان نازنینوں کے جن سے تقدیر نے ان کے خاوند چھین لئے۔ اور جن کو بیوہ کا لقب دیکر انسان نے ہمیشہ کیلئے مسرت سے محروم کر دیا۔ ان کے دکھی دل کی پکار سنئے۔ انکی جوانی کی پائمالی دیکھئے۔ اس میں نوجوانوں کی محبت کے ناتمام افسانے ہیں۔ جن پر آرزوؤں کا جگمگاتا محل کھڑا کیا جاتا ہے تابناک، روشن جھلمل کرتے ہوئے پندرہ آئینے ہیں جن کے مختلف پہلوؤں میں حسرت، عشرت، نفرت، انتقام اور محبت کی چھوٹ پڑتی ہے۔

قیمت ایک روپیہ بارہ آنے　　عہ/۱۲

# قلوپطرہ!

قلوپطرہ ملکۂ مصر — سیزر کی داشتہ — انٹنی کی محبوبہ

اپنے ملک کی فرمانروا — لیکن — جذبات کی غلام

## سکندریہ اور سکندریہ کی عشرت کاری کی مظہر

حسن و عشق کی کونسی خونی داستان ہے۔ جو اس کے نام کیساتھ منسوب نہیں آرائش جمال کا وہ کونسا فن ہے جو اس کے نام کے ساتھ مخصوص نہیں۔

## اس کی محبت لازوال، اس کا عشق مہلک

## اس کے پاؤں موت، اس کی زبان پر شعلے

## قلوپطرہ